

معارف

جنوری ۲۰۱۵ء

مجلس دارالمصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ

سالانہ زرتعاون

ہندوستان میں سالانہ ۲۸۰/روپئے۔ فی شارہ ۲۵/روپئے۔ رجسٹرڈ ڈاک ۴۸۴/روپئے

دیگر ممالک میں سادہ ڈاک ۱۶۶۰/روپئے۔ دیگر ممالک رجسٹرڈ ڈاک ۱۷۸۰/روپئے

ہندوستان میں ۵ سال کی خریداری صرف ۱۳۰۰/روپئے میں دستیاب۔

(اوپر کی رقوم ندوستانی روپئے میں دی گئی ہیں)

پاکستان میں ماہنامہ معارف کے لئے رابطہ کریں

سجاد الٰہی صاحب، A-27 لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور (پاکستان)

Tel: 0300 - 4682752, (R) 5863609, (O) 7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

سالانہ چندہ کی رقم منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ کے ذریعہ بھیجیں۔ بینک ڈرافٹ درج ذیل نام سے بنوائیں۔

DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY, AZAMGARH

- زرتعاون ختم ہونے پر تین ماہ کے بعد رسالہ بند کردیا جائے گا۔
- معارف کا زرتعاون وقت مقررہ پر روانہ فرمائیں۔
- خط و کتابت کرتے وقت رسالہ کے لفافے پر درج خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
- معارف کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں کی خریداری پر دی جائے گی۔
- کمیشن ۲۵ فیصد ہوگا۔ رقم پیشگی آنی چاہئے۔

مقالہ نگار حضرات سے التماس

- مقالہ صفحہ کے ایک طرف لکھا جائے۔
- حواشی مقالے کے آخر میں دیئے جائیں۔
- مآخذ کے حوالہ جات مکمل اور اس ترتیب سے ہوں: مصنف یا مؤلف کا نام، کتاب کا نام، مقام اشاعت، سن اشاعت، جلد یا جز اور صفحہ نمبر۔

عبدالمنان ہلالی (جوائنٹ سکریٹری رمنیجر) نے معارف پریس میں چھپوا کر

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی کا علمی و دینی ماہنامہ

معارف

جلد نمبر ۱۹۵ ماہ ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق ماہ جنوری ۲۰۱۵ء عدد ۱

فہرست مضامین

(مرتبہ)
اشتیاق احمد ظلی
محمد عمیر الصدیق ندوی

دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی
پوسٹ بکس نمبر: ۱۹
شبلی روڈ، اعظم گڑھ (یوپی)
پن کوڈ: ۲۷۶۰۰۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

سید حامد صاحب اس دار فانی سے عالم جاودانی کے لیے رخصت ہو گئے۔ ۱۸/ مارچ ۱۹۲۰ء میں فیض آباد میں شروع ہوئے باثمر اور کامران سفر ۹۴ سال بعد ۲۹/ دسمبر کو دہلی میں اپنے اختتام کو پہنچا اور ملک وملت کے غم میں عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ گیا۔ ان کے انتقال کے ساتھ ایک عہد اپنے اختتام کو پہنچا۔ اب ایسے لوگ کہاں ملیں گے جن کی زندگی میں عصر رواں کے تقاضوں کے بھرپور ادراک کے ساتھ ہماری قدیم تہذیبی روایات، اقدار اور وضع داری کا ایسا دلآویز انعکاس پایا جاتا ہو۔ قحط الرجال کے اس دور میں اس قد وقامت اور مقام و مرتبہ کی شخصیت کا اٹھ جانا ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے لیے ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے۔ انہوں نے جو جگہ خالی کی ہے اس کا پُر کرنے والا دور دور تک کوئی نظر نہیں آتا۔ انہوں نے ایک لمبی عمر پائی جو ملک وملت کی خدمت کے لیے وقف رہی۔

حاصل عمر نثار رہ یارے کردم　　شادم از زندگی خویش کہ کارے کردم

سید صاحب نے اپنے لیے جو مقاصد متعین کیے تھے ان کے صبر آزما تقاضوں کو پورا کرنا آسان نہ تھا لیکن انہوں نے جس عزم، حوصلہ اور مستقل مزاجی سے ان کی پاسداری کی اس کی مثال اس زمانہ میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ ان کی شخصیت ایسی مختلف اور متنوع صفات کی مجموعہ تھی جن کا اس دور انحطاط میں کسی ایک شخص کے اندر جمع ہونا عجائب روزگار ہی میں شمار ہوگا۔ علی گڑھ میں کامیاب اور باوقار کارکردگی کے بعد ان کے سامنے امکانات کی ایک وسیع دنیا تھی اور ذاتی مفادات کو آگے بڑھانے کے بے شمار مواقع لیکن انہوں نے ان کی طرف ایک نگاہ غلط انداز ڈالنا بھی گوارا نہیں کیا اور اپنی تمام تر صلاحیت، قوت اور اثرات کو ملت کی بہبود کے لیے وقف کر دیا۔ اخلاص، ایثار، قربانی اور خدمت کی راہ میں قدم رکھا تو پھر پیچھے مڑ کے نہ دیکھا۔ مسلم معاشرہ کی اصلاح احوال کے لیے ان کی فکرمندی اور خاص طور سے اس کے اندر تعلیم کی توسیع وترویج کے لیے جہدِ مسلسل کی وجہ سے وہ کتنے ہی لوگوں کے ایک آئیڈیل اور رول ماڈل کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ انہوں نے اپنے کردار وعمل سے بے شمار لوگوں کے دلوں میں ملی خدمت کی ضرورت اور اہمیت کا احساس بیدار کیا، انہیں زندگی کے ایک اعلیٰ اور بلند مقصد سے روشناس کیا اور اس کے لیے جد وجہد کرنے کا حوصلہ بخشا۔ قدرت سے ان کو تحریر وتقریر کا اچھا ذوق اور ملکہ عطا ہوا تھا۔ اس خداداد صلاحیت کو انہوں نے جہالت کی تاریکی کے خلاف لڑنے اور علم کی روشنی پھیلانے کے

لیے استعمال کیا۔ان کی تحریروں میں ان کے اخلاص اور مقصدیت کی مٹھاس اس طرح گھل مل جاتی تھی کہ ان کی فارسی آمیز تحریریں بھی اچھی لگتی تھیں۔

وطن مرادآباد تھا۔ پیدائش اودھ کے قدیم دارالسلطنت فیض آباد میں ہوئی جس کے واضح اثرات ان کی شخصیت میں محسوس کیے جاسکتے تھے۔ابتدائی تعلیم رامپور،اناؤ اور مرادآباد میں حاصل کی۔اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ آئے۔۱۹۳۹ء میں بی-اے اور۱۹۴۱ء میں انگریزی زبان وادب سے ایم-اے کیا۔اچھے طالب علم کے ساتھ ساتھ اچھے کھلاڑی بھی تھے اور یونیورسٹی ہاکی ٹیم کے کلر ہولڈر تھے۔سرشت میں مشرقیت رچی بسی ہوئی تھی شاید اسی لیے انگریزی میں ایم-اے پر قناعت نہیں کی اور فارسی زبان وادب میں بھی دستگاہ حاصل کرنی چاہی۔لیکن سال اول ہی کا مرحلہ طے ہوا تھا کہ پراونشیل سروس میں انتخاب ہوگیا۔یہ شوق بہرحال دامن گیر رہا اور اس کی تکمیل کا سامان ۱۹۴۷ء میں ہوا اور انہوں نے فارسی میں بھی ایم-اے کی ڈگری حاصل کرلی۔۱۹۴۹ء میں انڈین ایڈمنسٹریٹو سروس میں انتخاب ہوا اور اگلے ۳۱ سال تک ایک آئی-اے-ایس افسر کی حیثیت سے مختلف النوع خدمات امتیاز کے ساتھ انجام دیں۔۱۹۷۶ء سے ۱۹۸۰ء تک اسٹاف سلکشن کمیشن کے بانی چیرمین کی حیثیت سے کام کیا۔ان کی زندگی کا یادگار دن وہ تھا جب ان کا انتخاب مادر علمی کی سربراہی کے لیے کیا گیا۔یہ ان کی صلاحیتوں اور خدمات کا اعتراف بھی تھا،ان کے لیے ایک بڑا اعزاز بھی اور شاید زندگی کا سب سے سخت امتحان بھی۔اس وقت یونیورسٹی بڑے ناسازگار حالات سے دوچار تھی اور اس کے حالات اصلاح کے سخت طالب تھے۔وہ آئے بھی تھے اصلاح کے عزم کے ساتھ۔اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے انہیں جن جانکاہ مراحل سے گذرنا پڑا وہ اب تاریخ کا حصہ ہیں۔یہاں ان کی تفصیل کا نہ موقع ہے اور نہ ضرورت۔مادر علمی کے حالات سے دلچسپی رکھنے والے ان سے بخوبی واقف ہیں۔راقم حروف ایک عینی شاہد کی حیثیت سے یہ جانتا ہے کہ یہ کسی عام عزم وہمت کے آدمی کے بس کا کام نہیں تھا۔اس کے لیے مقصد پر غیر متزلزل یقین،بے پایاں اخلاص،ناقابل شکست عزم وحوصلہ،غیر معمولی کارکردگی اور زبردست خوداعتمادی کی ضرورت تھی اور یہ وہ صفات تھیں جنہیں مبدأ فیض نے انہیں بڑی فیاضی سے عطا کیا تھا۔بڑی طویل اور جاں گسل کشمکش کے بعد وہ کامیاب وسرخ رو ہوئے۔علی گڑھ میں ان کی کامیابیوں اور حصولیابیوں کی فہرست طویل ہے اور مادر علمی کے لیے ان کی خدمات بہت روشن اور تابناک۔

علی گڑھ کی امتحان گاہ سے کامیاب اور سرفراز نکلنے کے بعد ان کے سامنے امکانات کی کمی نہیں تھی لیکن انہوں نے چندروزہ متاع دنیا کے حصول پر ملی خدمت کے باقی رہنے والے اجر کو ترجیح دی اور بقیہ زندگی ملت کی

خدمت میں گزار دی۔ وہ یقین رکھتے تھے کہ مسلمانوں کی سربلندی اور ترقی کا راز حصول تعلیم میں مضمر ہے۔ تعلیم سے آراستہ ہوئے بغیر مسلمان زوال اور انحطاط کے اس گرداب سے نہ تو نجات حاصل کر سکتے ہیں اور نہ دوسری قوموں کے مقابلہ میں عزت وسرفرازی۔ یہی سرسید اور علی گڑھ تحریک کا مشن تھا۔ اس مشن کو انہوں نے نئی قوت اور فعّالیت بخشی اور اس مقصد کے حصول کے لیے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا۔ ضعف اور پیری کے باوجود تعلیمی بیداری پیدا کرنے کے لیے طویل اور پر مشقت سفر کیے اور مسلمانوں کے لیے تعلیم کی ناگزیر ضرورت اور اہمیت کو ذہن نشین کرانے کے لیے تعلیمی کارواں کی قیادت کی۔ یوپی رابطہ کمیٹی، ہمدرد اسٹڈی سرکل، ہمدرد کوچنگ سنٹر اور تعلیم آباد کی تاسیس وتعمیر میں ان کا کردار کلیدی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ Nation and the World کے ایڈیٹر اور سچر کمیٹی اور دوسری کمیٹیوں کے ایک رکن رکین کی حیثیت سے بھی ان کی خدمات بہت اہم رہی ہیں۔ ہمدرد ایجوکیشن سوسائٹی کے اعزازی سکریٹری اور جامعہ ہمدرد کے چانسلر تھے۔ وہ اپنی ذات سے ایک انجمن اور ایک تحریک تھے۔

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

واقعہ یہ ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے ان کی خدمات غیر معمولی ہیں۔ ملی کاموں میں ان کی دلچسپی اور انہماک اور ملت کے لیے ان کی دردمندی کو احساسِ تشکر کے ساتھ یاد رکھا جائے گا۔

سید حامد صاحب دارالمصنّفین کے معترف اور مداح تھے اور اس کی خدمات کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اسی تعلق خاطر کی وجہ سے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد ۲۰۰۰ء میں ان کی جگہ پر سید حامد صاحب کو دارالمصنّفین کی مجلس انتظامیہ کا رکن منتخب کیا گیا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین اور کرنل بشیر حسین زیدی کے بعد وہ مسلم یونیورسٹی کے تیسرے وائس چانسلر تھے جو دارالمصنّفین کی مجلس انتظامیہ کی رکنیت کے لیے منتخب ہوئے۔ انہیں اکیڈمی کے معاملات میں گہری دلچسپی تھی اور منتظمین کو اپنی قیمتی آراء سے نوازتے رہتے تھے۔ بیماری سے پہلے ان سے ملنے تعلیم آباد جانا ہوا تو انہوں نے بڑی تفصیل سے اکیڈمی کے حالات دریافت کیے، اکیڈمی کی تعمیر نو کے منصوبوں کو دلچسپی اور غور سے سنا اور مفید مشورے دیے۔ راقم حروف نے جب ۲۰۰۸ء میں اکیڈمی کی ذمہ داری سنبھالی اور وسائل کے یکسر فقدان کے باوجود اس کی تعمیر نو کے منصوبہ پر کام شروع کیا گیا تو اس کے لیے سب سے پہلا اور بڑا تعاون سید حامد صاحب سے ملا۔ آندھرا پردیش اردو اکیڈمی کی طرف سے ملنے والے مولانا ابوالکلام آزاد اوارڈ کی پوری رقم جو سوا لاکھ روپیہ پر مشتمل تھی، اکیڈمی کو منتقل کر دی۔ اُس بے سروسامانی کے عالم میں اس سے ہمیں جو حوصلہ اور سہارا ملا ہوگا اس کا بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ فسیح جناتک۔

مقالات

قوم عاد کی تہذیب اور تباہی

محمد طارق غازی*

قوم عاد کو مٹے ہوئے ہزاروں سال بیت گئے مگر ان کی ایک میراث آج بھی زندہ ہے۔ موجودہ تہذیب کی ایک عام خوش فہمی ہے کہ اس سے زیادہ ترقی یافتہ زمانہ دنیا میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا اور ہم سے بہتر و برتر کوئی نہیں: ہم سب سے افضل ہیں۔ اپنے بارے میں قوم عاد کا بھی یہی خیال تھا: مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (فصلت ۴۱:۱۵) ہم سے زیادہ طاقتور بھلا کون ہے۔ ترقی یافتہ قوموں کی یہ خوش گمانی انسان کا واحد تہذیبی ورثہ ہے۔

مکمل طور پر تباہ ہو جانے والی تاریخ عالم کی دوسری تہذیبوں کے معیار ترقی کے بارے میں قطعیت کے ساتھ کچھ کہنا بہت دشوار ہے۔ قوم نوح کی چند نسلوں بعد قوم عاد کا خاتمہ بھی ایسا ہی ہوا۔ حضرت ہودؑ کی نافرمان قوم کو نام و نشان اور تمام تر آثار کے ساتھ یوں مٹا دیا گیا کہ حسیاتی مورخین کے نزدیک اس کا وجود بھی قابل ذکر نہیں رہا۔ چنانچہ تاریخ عالم اس قوم کے ذکر سے خالی ہے۔ اس قوم کا سنجیدہ ذکر صرف قرآن حکیم میں ملتا ہے جہاں حضرت ہودؑ کا نام سورۃ الاعراف، ہود اور الشعراء میں سات مقامات پر اور عاد کا ذکر الاعراف، ہود، المؤمنون، الشعراء، فصلت، الاحقاف، الذاریات، القمر اور الحاقہ میں نو مقامات پر آیا ہے۔ توراۃ، زبور اور انجیل میں اس قوم کا کوئی تذکرہ نہیں ہے شاید اس لیے کہ عاد و ثمود دونوں قومیں بنی اسرائیل کی تاریخ اور شجرہ سے خارج ہیں، اگرچہ حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت موسیٰؑ کا نسبی عمود حضرت ہودؑ کے واسطے ہی سے حضرت نوحؑ اور حضرت آدمؑ تک پہنچتا ہے۔ لہٰذا صحف سماوی میں بھی قرآن حکیم ہی واحد کتاب ہے جس میں عاد کا خاصا تفصیلی ذکر ملتا ہے۔

---

* کناڈا۔

کتاب اللہ اور تفاسیر میں اس قوم کے بارے جو معلومات یکجا کیے گئے ہیں فقط ان ہی کی بنیاد پر اس قوم کی تاریخ کے کچھ تانے بانے مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ان معلومات کے مطابق بڑے بھاری ستونوں پر بنی ہوئی عمارتوں میں رہنے والی قوم عاد نے دنیا کی تہذیب کو ترقی کی انتہا پر پہنچا دیا تھا۔ یہ قوم طوفان نوحؑ کے مومن باقیات کی اولاد میں تھی مگر چند ہی نسلوں میں اس کے سردار تکبر،ظلم ،فساد اور شرک کے ان ہی امراض کا شکار ہو گئے جن سے بچے رہنے کے انعام میں ان کے اجداد کو حضرت نوحؑ کے ساتھ نجات دی گئی تھی۔

تہذیبوں کی عصیاں پسندی: قوم عاد بھی تہذیبی ترقی کی اس بلندی کو پہنچی تھی جہاں اس سے پہلے اپنی اصل کو بھلا کر قوم نوحؑ نے عین طوفان سے پہلے خود کو پایا تھا۔اگر حیرت کی جائے تو اس پر کہ جس قوم کے سردار اپنے خود تراشیدہ خداؤں کو باپ دادا سے چلی آنے والی روایت کہنے کی حماقت کر رہے تھے ان کے پاس اتنی عقل بھی باقی نہیں رہی تھی کہ طوفان نوح کی روایت سے کچھ سبق حاصل کرتے۔مگر یہی تہذیبی ارتقاء کا خاصہ ہے کہ جہاں انسان نے مادیات میں کوئی کمال کر دکھایا وہ سب سے پہلے عقل سلیم کو رد کرنے کی سفاہت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اپنی جہالت کو باپ دادا سے موسوم کر کے خود کو مطمئن کرنے کی غلطی کرتا ہے۔

حضرت ہودؑ کا تعارف: قاضی ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظہری ۴: ۲۲۵) نے عاد کا نسب عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوحؑ دیا ہے۔البتہ حضرت ہودؑ کے نسب کی ترتیب میں اختلاف ہے ۔ایک روایت ہے ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص۔ابن اسحاق نے ہود بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بتایا ہے۔شیخ ابوبکر نے خلاصۃ السیر میں ان کا نسب ہود بن شالخ بن قینان بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ تمام کتب انساب میں یہی نسب آیا ہے۔شیخ ابوبکر نے کہا کہ حضرت ہودؑ کی والدہ کا نام مکعبہ بنت عویلم بن سام بن نوحؑ تھا۔امام ابوحیان اندلسی (بحرالمحیط ۴: ۴۲۶-۴۲۸) نے ان کی والدہ کا نام مرجانہ بتایا ہے۔ابن کلبی نے بھی یہی روایت کی ہے۔حضرت ہودؑ کے بارے میں امام اندلسی کا بیان ہے کہ وہ حضرت آدمؑ سے مشابہ تھے۔ان کا رنگ گورا تھا،بال سفید تھے،ڈاڑھی نچلے ہونٹ کے نیچے سے شروع ہوتی تھی اور لمبی تھی۔وہ تاجر تھے۔شیخ ابوبکر نے مزید لکھا ہے ہود ان کا لقب تھا،جبکہ ان کا

نام عابِر، عابَر، عِبیر یا عُبَیر تھا۔نسابین عام طور سے عابِر بتاتے ہیں۔عُمان میں حضرموت کی سرحد کے قریب اور صحرائے ربع الخالی کے کنارے شصر (بروزن مصر) نامی گاؤں کے پاس کھدائی میں ایک قدیم بستی دریافت ہوئی ہے جس کا نام عُبَار بتایا گیا ہے۔ممکن ہے بستی کا یہ نام حضرت عابرؑ کی نسبت سے پڑا ہو یا اس باغ کے حوالہ سے ہو جہاں آندھی کے وقت حضرت ہودؑ اور اہل ایمان نے پناہ لی تھی۔

قاضی پانی پتی (تفسیر مظہری ۴: ۲۲۵) نے لکھا ہے کہ حضرت ہودؑ شریعت نوحؑ پر تھے اوران کی عمر ۴۰۰ یا ۴۶۰ سال ہوئی۔تاریخ شام میں ابن حبیب کا قول ہے کہ عمر ۱۳۴ سال ہوئی تھی،اورابن کلبی نے ۴۶۴ سال قرار دی ہے۔

مساکن عاد کی روایات: مفسرین نے تاریخ عاد کی بہت سی تفصیلات جمع کی ہیں۔ان کی تحقیقات کے مطابق یہ قوم احقاف کے علاقہ میں رہتی تھی۔امام بغوی (معالم التنزیل ۷:۲۶۲)اور قاضی پانی پتی (مظہری ۱۰:۳۰۵) نے احقاف کو حقف کی جمع بتایا ہےاورکہا مستطیل خم درخم ریگستان کواحقاف کہتے ہیں۔ابن زید نے پہاڑی نما مگر پہاڑ سے کم اونچے مستطیل ریگستان کو احقاف کہا ہے،کسائی نے دائروی ریگزار بتایا ہے.روایت ایسے ریگستان کی بھی ہے جس میں ریت کے تودے سمندر کی موجوں اور لہروں کی طرح نشیب وفراز کا نظارہ دکھاتے ہیں۔عاد کے مساکن حجاز،یمن اور یمامہ کے درمیان ربع الخالی کے مغرب میں تھے۔یمن کے سواحل،عمان اور حضرموت سے عراق تک ان کا سکہ رواں تھا۔جنوبی یمن میں کہیں ان کے پرانے کھنڈر موجود ہیں (مولانا محمد جمال بلند شہری/جمالین فی شرح جلالین ۲:۳۷۸-۳۷۹)۔مولانا شبیر احمد عثمانی (تفسیر عثمانی ۳:۳۷۲-۳۷۷) نے علامہ سید سلیمان ندوی کی ارض القرآن کے اضافی حوالہ سے اسی خطہ کو عاد کا وطن بتایا ہے۔ابن جریر طبری (جامع البیان ۱۲:۵۰۷) نے حضرموت سے عمان تک الشحر کے علاقہ میں ان کی سکونت بتائی ہے۔قتادہ کی روایت بھی یہی ہے کہ بحر الیمانی سے متصل بلاد شحر عاد کا مسکن تھا(امام اندلسی/بحر المحیط ۸:۶۳)۔تفسیر طبری میں آتا ہے حضرت علیؓ نے رسول اللہؐ سے روایت کی ہے کہ یمن میں سرخ مٹی کا ٹیلہ جس پر گھاس ہے یا ایک درخت اُگا ہوا ہے حضرت ہود کی قبر ہے۔امام آلوسی (روح المعانی ۲۶:۲۴) کی ایک روایت میں

حضرت ابن عباسؓ نے شام کے پہاڑ کو بھی احقاف میں شمار کیا ہے۔ سورہ ہود (۵۲:۱۱) کی شرح میں امام اندلسی (بحر المحیط ۵:۲۳۲-۲۳۳) اور امام طبری (جامع البیان ۳/ ۵۱:۹) نے شام و یمن کے درمیان ریگستان میں مساکن عاد کا ذکر کیا ہے۔ جغرافیائی طور پر اس کا مطلب ہوا کہ عاد کا تسلط تین ریگستانوں پر محیط تھا یعنی صحرائے ربع الخالی، صحرائے نجد اور شمالی حجاز کا صحرائے نفود۔

سورۃ الاعراف کی آیت وَزَادَكُم فِي الْخَلقِ بَصْطَةً (۶۹:۷) کی شرح میں علامہ عثمانی (تفسیر عثمانی ۱:۴۲۵) کا قول ہے کہ جسمانی قوت اور ڈیل ڈول کے اعتبار سے یہ قوم مشہور تھی۔ امام طبری نے اس آیت کی شرح میں تین قول تحریر کیے ہیں۔ اول: جسم و جثہ میں قوم نوح سے زیادہ تھے، ثانی: قوم نوح سے زیادہ طاقت ور تھے، ثالث: قوم نوح کے مقابلہ میں عاد پر زیادہ انعامات کیے گئے تھے (جامع البیان ۱۲:۵۰۴)۔ مولانا اشرف علی تھانوی نے بتایا کہ یہ لوگ بڑے قد آور اور قوی الجثہ ہوتے تھے (بیان القرآن ۳۳۴)۔ مولانا محمد جمال بلند شہری (جمالین فی شرح جلالین ۲:۳۷۷) نے تحریر کیا ہے کہ عاد کو جسامت بھی زیادہ ملی یعنی قد آور بنایا اور قوت بخشی۔ ابن کثیر نے ارم ذات العماد (الفجر ۸۹:۷) کی تفسیر کی ہے کہ جنگل میں ستونوں (والی عمارتوں) میں رہتے تھے، بلند قامت ہوتے تھے، دوسرے شہروں میں ان کے مانند لوگ پیدا نہیں کیے گئے تھے، بڑے قوی، طاقت ور، لانبے چوڑے قد کے ہوتے تھے، جیسے جسمانی طور پر سخت اور زور دار تھے اس طرح دلوں میں بھی سختی تھی (تفسیر ابن کثیر ۸:۲۸۸-۲۹۰)۔ ان بیانات کا لازمی مطلب یہ نہیں کہ ان کے قد و قامت سو پچاس گز کے ہوتے تھے۔ امام قرطبی (جامع البیان ۵/ ۲۰:۴۵-۴۶) ایسے بیانات کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں عماد کا مطلب سید القوم بھی ہے اور ابن زید کا کہنا ہے کہ وہ ستونوں پر قائم بلند و بالا عمارتیں بنایا کرتے تھے اور صحاح میں بھی یہی مفہوم آتا ہے کہ عماد یعنی بلند عمارتیں۔

عاد کی مادی طاقت: امام باقرؒ کے بقول ایک مرد ایک بڑی چٹان کو توڑ دیتا تھا اور حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک شخص پتھر سے تراشا ہوا ایک کواڑ (مصراع) اٹھا لیتا تھا جسے پانچ سو آدمی نہ اٹھا سکیں (امام آلوسی/ روح المعانی ۸:۱۵۶-۱۵۷)۔ ان اقوال یا آراء سے لازم

نہیں آتا کہ ایک چٹان کو توڑنے کے لیے ہاتھ کی ایک ضرب کافی تھی یا وزنی پتھر اٹھانے کے لیے کسی آلہ کی ضرورت نہیں تھی۔ خود ہمارے زمانہ میں فولادی غرنوقہ کے بلوری حجرہ میں بیٹھا ہوا ایک کمزور و لاغر شخص چند کلوں کو حرکت دے کر سینکڑوں ٹن کا وزن ادھر سے ادھر منتقل کردیتا ہے، اور بھاری چٹانوں اور سنگ و خشت اور لوہے سے بنی ہوئی عمارتوں کے ڈھانچوں کو آلات جر ثقیل کی ایک ضرب سے ریزہ ریزہ کردیتا ہے۔ یہ درست ہے کہ قوم عاد کے پاس ایسے آلات کی موجودگی کی کوئی حسی شہادت پیش نگاہ نہیں ہے۔ مگر حسی یا حضری شہادت کی عدم دستیابی کسی شے کی عدم موجودگی کی دلیل نہیں ہوتی۔ تو کیا وجہ ہے کہ قوم عاد کے پاس اس قسم کے آلات کی موجودگی کا انکار کیا جائے۔ جو دلیل ان آلات کے انکار کی ہوگی وہی قوم عاد کے پاس ان آلات کی موجودگی کے حق میں جائے گی۔

وہ اہل دانش جو حسی شہادت نہ ہونے کی وجہ سے قوم عاد کو ایک قدیم پسماندہ گروہ باور کرنے پر اصرار کریں گے انہیں لازم آئے گا کہ تسلیم کریں مصر میں ۱۳۹ میٹر بلند خوفو کا ہرم بنانے والے لوگوں کا قد ۲۰۰ میٹر کا تھا یا بارہویں صدی کی دہلی کے باشندے ۱۰۰ گز کے ہوتے تھے جنہوں نے ۷۳ میٹر بلند قطب مینار تعمیر کیا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان قدیم آثار کی تعمیر کے بارے میں عہد جدید کے بعض اعلیٰ تعلیم یافتہ مصنّفین کا خیال یہی ہے کہ یہ تعمیرات سو گز کے انسانوں نے یا کسی عجوبہ خلائی مخلوق نے بنائی تھیں جو اپنے عمارتی آثار چھوڑ کر اپنے سیارے میں واپس چلے گئے کبھی واپس نہ آنے کے لیے یا اُڑن طشتریوں میں آئے مگر انسانوں سے رابطہ کرنے سے ڈرتے یا شرماتے ہوئے (Däniken, *Chariots of the Gods*)۔

سیر و سیاحت کی بانی قوم: موجودہ زمانہ کی مغربی یورپی اور امریکی اقوام سیر و سفر کی بڑی دلدادہ ہیں۔ سمندروں کے ساحلوں، تفریح گاہوں میں، آثار قدیمہ کے لیے مشہور شہروں، پہاڑی مقامات اور برف زاروں کی سیر ان قوموں کا جزو تہذیب اور سالانہ معمول ہے۔ ان کا مقصد صرف تفریح ہوتا ہے۔ ان سیاحتوں سے عمرانی یا عبرتی نتائج اخذ کرنے سے کم لوگوں کو دلچسپی ہوتی ہے۔ اس قسم کی سیاحت کے بانی عاد تھے۔ تفاسیر قرآن میں ایسی روایات ملتی ہیں کہ عاد کے متمول لوگ ہر سال موسم بہار میں سیر تفریح کے لیے نکل جایا کرتے تھے۔ امام بغوی (معالم التنزیل ۷:۲۶۲) نے

کہا ہے وہ موسم بہار میں (تفریحی) سیر وسفر پر جایا کرتے تھے اور جب سبزہ سوکھ جاتا (موسم خزاں کے آغاز پر) تو گھروں کو واپس آجاتے۔ یہی بات علامہ محمود آلوسی نے بھی بیان کی ہے (روح المعانی ۱۲۳:۳۰)۔ صحرائے ربع الخالی کے کنارے پر موسم بہار بھی خوشگوار نہیں ہوتا۔ اس موسم میں سیاحت کی روایت سے اندازہ ہوتا ہے کہ فصل ربیع کے بعد ان کی جیبیں بھری ہوتی تھیں اور وہ دلکشا اور روح افزا مقامات پر تفریح کے لیے نکل کھڑے ہوتے تھے۔ روایات کے مطابق عراق وشام ان کی جولان گاہ تھے۔ ممکن ہے ان کے علاوہ دیگر ممالک کا سفر بھی کرتے ہوں۔

امام اندلسی (بحر المحیط ۲۳۳:۵) نے ساعت عذاب میں ظعینہ کی تباہی کا بیان بھی کیا ہے جس سے کوچ گاہیں، سفر کے اڈے مراد ہیں۔ چونکہ اس قوم کے مالدار لوگ موسم بہار میں سیر وسیاحت کے لیے نکلتے تھے اس لیے ظعینہ (کوچ گاہ) سے اشارہ ملتا ہے کہ سفر کا کچھ عوامی قسم کا طریقہ رائج تھا اور کسی متعین مقام پر مسافروں کو سواریاں دستیاب تھیں۔ ان سواریوں کی ہیئت پر بحث ہوسکتی ہے، لیکن طویل سالانہ سیاحتوں کے لیے بہرحال سواریاں درکار تھیں۔ یہ الگ بات ہے کہ قدیم عرب کے ریگستان میں سفر کا تصور آتے ہی جدید ذہن میں اونٹ کا ہیولیٰ ابھرتا ہے۔ ہزاروں سال پہلے ریگ زار عرب میں اونٹ کے سوا کسی اور سواری کا خیال بھی نہیں آتا۔ آج سے پانچ دس ہزار سال بعد دبئی اور جدہ اسی طرح کھدائیوں میں دریافت ہوئے تو ان شہروں میں سفر کے لیے اونٹ کے سوا کسی اور سواری کا خیال ذہن میں نہیں آئے گا۔ مگر جس طرح آج کا طرز سفر دس ہزار سال بعد کے آثاریوں کی تحقیق کی نفی کرے گا اسی طرح ضروری نہیں کہ آج کی انتہائی سائنٹفک تحقیقات بھی عرب بائدہ کے ماضی بعید کی مادی حقیقت میں اتر کر دیکھ سکیں۔

اثریاتی معموں کی رمز بینی: تاہم یہ مانا جائے گا کہ اثریاتی تحقیقات ایک معمہ کے ایسے اشارے ضرور فراہم کرتی ہیں جن کی رمز بینی سے ایک موہوم تصویر کی مدھم لکیروں سے کچھ شکل ابھرتی دکھائی دیتی ہے۔ عاد ایک تاجر قوم تھی. اوپر ذکر آچکا ہے کہ خود حضرت ہودؑ تاجر تھے۔ جنوب مغربی عمان کی اثری کھدائیوں میں عبار کے نام کے عاد کے ایک امکانی گمشدہ قلعہ بند شہر کے آثار دریافت ہوئے ہیں (نکولس کلیپ، دی روڈ ٹو عبار۔ عبار کی شاہراہ- Nicholas Clapp, *The Road to Ubar*) وہاں شہر پناہ کے صدر دروازہ سے متصل ایک کاروان سرائے یا ظعینہ

کے آثار بھی ملے ہیں۔ قیاس کیا گیا ہے کہ وہاں بڑے بڑے تجارتی قافلے جمع ہوتے تھے اور باہر سے آنے والے تاجر قیام کرتے تھے۔ چنانچہ یہ قیاس بھی کیا جا سکتا ہے کہ وہی ظعینہ عام سواریوں کا اڈہ بھی تھی۔ اس کاروان سرائے کی حیثیت کو موجودہ زمانہ کے پنج تارہ ہوٹل یا ایرپورٹ کے پس منظر میں بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک بطلیموسی نقشہ کے مطابق مَتْجَر عُمانیہ کے نام سے شہر کا صدر بازار بھی اسی ظعینہ میں واقع تھا، جس کی شہرت شمالی افریقہ سے یورپ میں روم تک تھی۔ بطلیموسی نقشہ اور اس میں متجر عمانیہ کا ذکر عاد کے صدیوں بعد کی چیز ہے لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ پہلی اور دوسری صدی عیسوی تک مصر جیسے دور دراز مقام پر بھی معدوم قوم عاد کی دولت اور مرفہ الحالی، اقتصادی، عمرانی، معاشرتی اور تہذیبی ترقی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے۔

قرآن حکیم میں مصانع کو عاد کی ایک خصوصیت بتایا گیا ہے: **وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ** (الشعراء ۲۶:۱۲۹)۔ یہ کثیر المعنی ہے۔ لغات میں اس سے مراد ہے وہ مکان جہاں صناعت ہو، حوض جس میں پانی جمع کیا جائے، بڑے حوض، زیر زمین نہریں (مولانا محمد ادریس کاندھلوی/ **معارف القرآن ۵:۵۶۲**)، قلعے جن میں پانی کے بڑے خزانے ہوں (امام بغوی/ **معالم التنزیل ۶:۱۲۴**)، بڑے محلات، عظیم عمارتیں، قصر، حصن، کنواں، قریہ وغیرہ۔ مولانا مفتی محمد شفیع (**معارف القرآن ۶:۵۳۵-۵۳۷**) نے کاریگریاں مراد لیا ہے۔

ریگ زاروں میں چراگاہیں: امام آلوسی (**روح المعانی ۱۲:۸۱**) نے عاد کی خوش حالی اور دنیوی عزت کے بیان میں ایک لفظ **خصب** استعمال کیا ہے جو مال اور مویشی، بالخصوص زراعت اور غذائی پیداوار وغیرہ میں کثرت نمو اور برکت کے مفہوم کو پہنچتا ہے۔ امام اندلسی (**بحر المحیط ۷:۳۱**) نے لفظ ریع (الشعراء ۲۶:۱۲۸) کی تفسیر میں لکھا ہے کہ عمان سے حضر موت تک کا علاقہ امرع البلاد تھا، یعنی اس میں گیاہ سبز کی بہترین چراگاہیں بلکہ چرازار اور مویشیوں کے لیے بسیار چارہ فراہم تھا۔ مفسرین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ عاد کے پاس کثیر تعداد میں مویشی تھے۔ ظاہر ہے ان کو چراگاہوں کی بھی ضرورت تھی جو ریگستانی خطوں میں آسانی سے مہیا نہیں ہوتیں۔ مگر ریگزاروں کو چرازاروں میں تبدیل کرنے کے لیے عاد کے پاس کوئی طریقہ، کوئی حکمت، کوئی سائنس تھی کہ ان کا یہ کام تاریخ میں قابل ذکر ٹھہرا۔ مولانا کاندھلوی (**معارف القرآن ۴:۴۳-۴۴**) نے

عاد کی دو خصوصیات بتائی ہیں: ایک ان کی غیر معمولی قوت و توانائی جس کا انہیں مکمل احساس و ادراک تھا جیسا کہ قرآن حکیم میں خود قوم عاد کا قول آیا ہے کہ ہم سے زیادہ زور آور بھلا کون ہے (فصلت ۴۱:۱۵)، اور دوسرے یہ کہ ان کے بلاد سرسبز و شاداب تھے اور وہ لوگ صاحب زراعت و صاحب عمارت تھے۔ امام قرطبی (احکام القرآن ۳/ ۹:۵۱) اور امام اندلسی (بحر المحیط ۵:۲۳۲-۲۳۳) نے انہیں اصحاب زروع (کھیت کیار)، بساتین (باغات) و عمارات بتایا ہے اور کہا ہے کہ اس قوم کو ان جائدادوں کی بڑی زبردست حرص تھی۔ یہ جائدادیں ان کی مالداری کی دلیل تھیں۔ ریگستان کے بیچ سرسبز و شاداب خطہ جس کی زرعی اور غذائی پیداوار کی مثالی قوت نمو ان کی دولت مندی کا ایک سبب تھی۔

نقد فصلوں کی کاشتکاری: ایک قابل توجہ اقتصادی نکتہ یہ ہے کہ کسی ملک یا قوم کی کثیر غذائی پیداوار اور نباتات کی ہریالی اسے فاقہ مستی سے تو محفوظ رکھ سکتی ہے مگر دولت مند بنانے کو کافی نہیں ہوتی۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ قوم یا ملک نقد تجارتی فصلیں پیدا کرتا ہو اور اس مقصد کے لیے وسیع و عریض مزرعوں اور باغات میں کاشت کی جا رہی ہو۔ چھوٹے کھیتوں میں چھوٹے کسان اپنے خاندان کے گزر بسر کے لیے کافی غلہ پیدا کر سکتے ہیں مگر قومی یا گروہی ثروت مندی میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔ تو محض یہ جان لینا کافی نہیں کہ قوم عاد کے پاس کھیتیاں اور باغات تھے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ اس قوم کے چودھری اور رئیس سرداروں کی ملکیت میں ایسے لمبے چوڑے مزرعے اور ایسے گھنے اور پھیلے ہوئے باغات تھے جن کی پیداوار کی اجناس اور پھل وغیرہ جھٹ پٹ نقدی میں بدل جاتے تھے۔ تاہم ان کی دولت مندی سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہوگا کہ اس قوم کا ہر فرد قارون وقت تھا۔ اجناس کو فوراً نقد میں بدلنے کے لیے ایک خاص قسم کی دنیوی عقل درکار ہوتی ہے جو کسی معاشرہ میں اقتصادی طور پر جابر و غاصب اور معاشرتی طور پر بے حس طبقہ پیدا کرتی ہے۔ یہ صورت قوم عاد میں پیدا ہوئی تھی۔

ہر ثروت مند معاشرہ تین طبقات میں جیتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ جو بڑے کھیتوں اور باغوں یا صنعتوں، بازاروں پر قبضہ کر کے نقد اجناس پیدا کرنے والی دنیوی عقل کی وجہ سے راست یا اپنے تنخواہ دار کارندوں کے واسطے سے سیاسی سطوت حاصل کر لیتا ہے، نیز ایک برہمنی معاشرہ میں

اپنے انفرادی معاصی اور اجتماعی فساد کے حق میں دلیل لینے کے لیے پروہتوں اور کاہنوں کو یہ اعلیٰ طبقہ اپنے سائے میں لے لیتا ہے۔ دوسرا متوسط طبقہ ہوتا ہے جو اس طرح بننے والے سیاسی اور اقتصادی نظام کو برقرار اور متحرک رکھنے میں ریڑھ کی ہڈی کی طرح ہوتا ہے اور تیسرا غریب طبقہ جسے حقیر وادنی خدمات کے لیے باقی رکھنا ایک جابر و طاغی معاشرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ نچلے دونوں طبقے اس اعلیٰ طبقہ کی دنیوی عقل کی پیداوار ہوتے ہیں کیونکہ ان دونوں طبقوں کی وجہ سے اعلیٰ طبقہ کی سرداری باقی رہتی ہے۔ عمرانی اعتبار سے متوسط طبقہ بھی دراصل نچلے طبقہ ہی کا حصہ ہوتا ہے۔ اسے بعض معاشروں میں متوسط طبقہ محض اس لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ اسے حقیر و ذمیم کاموں میں استعمال نہیں کیا جاتا۔

بہرحال یہ تینوں طبقے عاد کے معاشرہ میں لازماً موجود تھے، بلکہ ممکن ہے انسانی معاشرہ میں ان طبقات کو سب سے پہلے قوم عاد کی سیاسی عقل ہی نے ایجاد کیا ہو۔ اسی کو دنیوی عقل کہا گیا ہے جو اپنے مزاج میں ایجادی اور اختراعی ہوتی ہے اور یہی دنیوی عقل کسی تہذیب کے عمرانی معیار کا پیمانہ ہوتی ہے۔ یہ عقل جس قدر ایجادی ہوگی تہذیب اسی قدر مادی ہوگی، اسی قدر دولت آفریں ہوگی، اسی قدر اسباب پر تکیہ کرے گی، اسی قدر مغرور ہوگی اور اسی قدر سرکش اور ظالم ہوگی اور اسی آخری وجہ سے اپنی تباہی کو دعوت دے گی۔

معاشرہ میں تمرد اور سرکشی ہمیشہ دولت کی زیادتی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ غریب معاشروں میں آدمی کو ایک وقت کے کھانے کی تگ و دو ہی سے سر اٹھانے کی مہلت نہیں ملتی۔ مگر یہ انسانی وجود کا منفی رخ ہے۔ مثبت پہلو یہ ہے کہ اگر زندگی کا مقصد سامنے ہو تو ناداری اور فقر سے انکسار و فروتنی، تواضع، رحم دلی اور مسامحت جیسے اوصاف از خود پیدا ہو جاتے ہیں۔ دنیا کی ہر تہذیب میں یہ دونوں عمرانی عناصر اسی طرح الگ الگ دکھائی دیتے ہیں جیسے جنوب افریقہ میں اس امید کے نیچے دو سمندروں کے پانی اور الہ آباد میں سنگم کے نیچے گنگا اور جمنا کے دھارے اپنے رنگ اور ذائقہ میں ایک دوسرے سے مختلف نظر آتے ہیں: وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا (النمل ۲۷: ۶۱) اور دو دریاؤں کے درمیان روک بنائی۔

عاد کا معاشرتی پیمانہ: کہتے ہیں ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔ بے شک ایجادیں

اپنے معاشرے کی ضرورتوں کا نتیجہ ہوتی ہی ہیں مگر خود ضرورتیں بھی اپنے معاشرہ کے مزاج کا عکس ہوتی ہیں۔ معاشرہ کا مزاج علمی ہوگا تو دین، معرفت، فقہ، اخلاقیات، تاریخ، تحقیق اور دانش ونکتہ آفرینی کوفروغ ہوگا؛ معاشرہ تفریح پسند ہوگا تو کھیل کود، انحرافی مشاغل اور ڈرامائیت اور حیران کاری، قصہ نویسی، داستان گوئی، لہوولعب اور حرص وہوا اور شہوت رانی کے سامان مہیا کیے جائیں گے۔ معاشرہ غفلت شعار یا پندار کا شکار ہوگا تو اونچی عمارتیں بنانے اور بات بات پر یادگاریں تعمیر کرنے، مصوری، آلات موسیقی، شاعری، رقص ونغمہ، طرب گاہیں، نواخانے قائم کرنے کا فن ترقی کرے گا اور عیش وعشرت اور شادی ونشاط کے وسائل پیدا کرے گا۔ معاشرہ تجارت اساس ہوگا تو سیاست مدن، قیام امن وامان کی ضمانت، شاہراہوں کی تعمیر اور مواصلات کی فراہمی، گزرگاہوں پر آرام گھر، صنعتوں کی کثرت، بیرونی منڈیوں کی تلاش اور ان پر قبضہ کی سیاست، بیرونی تاجروں کے لیے قیام گاہیں اور تجارتی سہولیات وغیرہ مہیا کرنے پر توانائیاں لگائے گا؛ اور اس معاملہ میں ہوس غالب ہوگی اور مال ودولت کا ہوگا تو بڑی فوجوں کی فراہمی، آلات جنگ کی صنعتیں، دنیا میں خام مال کی تلاش اور بیرونی مادی وسائل اور منڈیوں پر جارحانہ قبضہ کے اسباب مہیا کرے گا۔

دوسری طرف ہر وہ شے جسے انسان بناتا یا پیدا کرتا ہے اس سے اپنا استعمال مانگتی ہے۔ اپنے جائز دفاع کے لیے انسان بندوق بناتا ہے تو بندوق اسے مسلسل استعمال پر اکساتی رہتی ہے جس کے نتیجہ میں انسان بے سبب جنگیں لڑتا ہے اور بڑے پیمانے پر لڑائیوں میں کشت وخون کرتا ہے اس کی قوت نہ ہو تو بستیوں میں بے وجہ قتل عام کرتا پھرتا ہے اور اس معاملہ میں ذرا قانون پسند ہو تو تفریحاً پرندوں اور وحشی جانوروں کے شکار کے لیے نکل جاتا ہے۔

ان پیمانوں پر قوم عاد کہاں کھڑی نظر آتی ہے؟

تہذیب عاد کا اجمالی نقشہ: تہذیب عاد کا ایک اجمالی نقشہ یہ ہے کہ اول وہ اصحاب زروع تھے اور وسیع وعریض کھیتوں کے علاوہ مویشیوں کے واسطے چراگاہ بھی رکھتے تھے؛ دوم، تاجر قوم تھی جو سفر وسیاحت کی دلدادہ بھی تھی؛ سوم، بڑی زبردست عمارتیں بھی بناتے تھے جن میں ستون یا اونچے برج بناتے تھے۔

اصحاب زروع کا مطلب ہے ان کے پاس کاشت کاری ہوتی تھی ۔ یہ معمولی قسم کی کاشت کاری ہوتی تو قابل تذکرہ نہ ہوتی۔ ایک طرف ان کے بروج مشیدہ، محکم عمارات، برجیوں اور عماد، قصر وقلعہ کا ذکر آئے اور دوسری طرف چھوٹی موٹی کھیتی باڑی تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کاروں کا بیوپاری سائیکل پر دفتر جائے۔ جیسا کہ اوپر بات ہو چکی ہے کہ اہل زراعت کی زراندوزی کی شرط نقد فصلیں ہوتی ہیں۔ البتہ نقد فصل مقدار میں زیادہ ہو تبھی منافع دیتی ہے۔ اس کے لیے وسیع و عریض مزرعے لازمی ہیں اور بڑے مزرعوں میں عام ہلوں جیسے چھوٹے زرعی آلات سے کھیتی نہیں ہوسکتی اور نہ ایسی کھیتیاں تجارتی فصلیں دیتی ہیں۔ ہندستان میں ۱۹۵۰ء سے پہلے اسی قسم کا زمین داری نظام تھا جس نے انگریز کے دور میں ہندستان کو کوئی بہت بڑا زرعی تجارتی ملک نہیں بنایا تھا۔ آزادی کے بعد اس نظام میں تبدیلی کے نتیجہ میں ہندستان زرعی تجارت کے نقشہ پر ابھر سکا۔

سادہ الفاظ میں بڑے کھیتوں کے لیے ذرا مختلف قسم کے زرعی آلات درکار ہوتے ہیں۔ قوم نوح کے بارے میں معلوم ہے کہ زرعی سائنس میں اس کی ترقی کا یہ حال تھا کہ وہ ہر ماہ دو فصلیں پیدا کرتی تھی (ابوحیان اندلسی/ **بحر المحیط** ۸:۳۳۴)۔ اگرچہ عاد کے سلسلہ میں ایسی کوئی روایت سامنے نہیں آتی لیکن یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ انھوں نے کچھ ایسے آلات ضرور ایجاد کر لیے تھے جو وسیع وعریض مزرعوں میں کاشت کاری کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ اس کی ایک دلیل چرازاروں کی موجودگی ہے۔ چرازار کثیر تعداد مویشیوں کے ساتھ مشروط ہے۔ اگر یہ لاتعداد مویشی کسانوں کے بیل تھے تو عاد کی کاشت کاری بڑا ٹھاٹھ کا دینے والا اور قطعاً غیر اقتصادی کام ثابت ہوتا ہے۔ بصورت دیگر یہ باور کیا جائے گا یہ مویشی دودھ، گوشت اور جانوروں کی ہڈیوں کی صنعتوں کے لیے پالے جاتے تھے اور ان مویشیوں کے لیے بڑی مقدار میں چارہ اور گھاس ضروری تھا۔ اسے خودرو گھاس پھوس پر معلق نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس مقصد کے لیے چارہ کا ایک عمدہ پیداواری نظام ضروری تھا۔ چنانچہ بڑے چرازاروں میں باقاعدہ ہری گھاس اُگانا، انہیں زہریلے اور نقصان دہ خودرو پودوں اور جھاڑیوں سے محفوظ رکھنا بجائے خود ایک نباتاتی علم ہے۔ پھر مویشیوں کے ریوڑوں کو بارہ مہینہ چارہ مہیا کرنے کے لیے گھاس بھی فصلوں کی طرح اُگانی پڑتی ہے۔ جن مقامات پر بارش ہوتی رہتی ہے اور ندیاں اور نہریں آس پاس بہتی ہیں وہاں اس معاملہ میں زیادہ تگ ودو

نہیں کرنی پڑتی، لیکن ربع الخالی کے کنارے پر خشک علاقہ میں اس کام کے لیے انتظامی صلاحیت کے ساتھ ایجادی صلاحیت بھی درکار تھی۔

دنیوی عقل اور پندار علم کی محفلیں: مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عاد کو تمکین فی الارض مَكَّنّٰهُم حاصل تھی۔ وہ (مادی) طاقت، جسمانی قوت، مال دولت رکھتے تھے، انہیں دنیوی عقل یعنی مادی زندگی میں کان، آنکھ اور دل کے استعمال کی استعداد حاصل تھی، ان کا علم ایسا تھا جس پر وہ ناز اور فخر کر سکتے تھے اور اس پر انہیں فخر و غرور تھا بھی: فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ (غافر ۴۰: ۸۳)۔ مولانا مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ۷: ۶۲۱) نے لکھا ہے کہ عاد اپنے مادی علم پر بڑے نازاں تھے اور جو لیاقت حاصل تھی اس پر خوش تھے اور اکڑتے تھے۔ البتہ ہر قسم کا علم پندار پیدا نہیں کرتا اور نہ ہر طرح کے علم پر انسان اکڑتا ہے۔

عاد کا مادی علم معمولی درجہ کا ہوتا یا وہ ادنی درجہ کے کسان ہوتے تو قرآن حکیم میں ان کے اَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ وَجَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ (الشعراء ۲۶: ۱۳۳-۱۳۴) مویشیوں اور اولاد اور باغات اور جھرنوں کا ذکر نہ آتا۔ یہ ذکر بجائے خود دلیل ہے کہ ان کے باغات اور مزرعے کثیر و بسیط تھے اور انہیں سیراب کرنے والے چشمے بھی انہیں حاصل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اونچے محلات کے برج ان کے کلب تھے جہاں مجلسیں جما کر وہ لوگ اپنے پندار علم یا معاشرتی بڑائی کا مظاہرہ کرتے اور نادیاً لِلتصَلُّف ان کلبوں میں بیٹھ کر خودستائی کے نعرے لگاتے (امام اندلسی/ بحر المحیط ۷: ۳۱)۔

خودستائی اور تصلف کرتے تھے تو کچھ حسن و خوبی تو ہوگی ان میں۔ خودستائی اور پندار کے لیے علم ہوگا تو اس کا کہیں تو ظہور ہو رہا ہوگا۔ اس مادی علم کے اظہار کا ایک موقع لازماً ان کی زراعت کی صنعت تھی۔

بھلائی اور برائی کی جڑیں: قوم ادریسؑ اور قوم نوحؑ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ قومیں لوہے کے علاوہ مختلف دھاتیں اور ان کے آمیزے استعمال کرتی ہے۔ قوم نوحؑ کے مومنین کے ساتھ یہ علم باقی رہ گیا تھا اور ان سے قوم عاد تک پہنچا تھا اور ان کی دولت مندی کا سبب تھا۔

پہلی خصلت جو دولت مندی کے ساتھ قومی مزاج کا حصہ بنتی ہے وہ ہے جبر و تشدد، کمزوروں اور زیردستوں پر ظلم و ستم اور حاکم طبقہ کی رعونت اور کبر و نخوت۔ اوپر سے عامۃ الناس

میں ان تمام عمرانی خرابیوں کا نفوذ ہوتا ہے اور معاشرہ کو گھن لگنا شروع ہوتا ہے۔عمرانی کلیہ ہے کہ معاشرتی بھلائی اور حسنات کا آغاز ہمیشہ کمزور اور نام نہاد نچلے طبقہ سے ہوتا ہے اور قوم میں صلاحیت ہوتو خیر اور صلاح وفلاح کی برکتیں بالآخر بالا طبقات کو متاثر کر کے معاشرہ کو صراط مستقیم پر ڈال دیتی ہیں۔اس کے برعکس برائیوں کی جڑیں ہمیشہ اوپر کے طبقات میں ہوتی ہیں۔ معاصی، گناہ، بدکاری، رشوت، بدعنوانی، شہوت رانی کا وبائی آغاز بالا طبقہ میں، بالخصوص حکمراں ٹولوں میں ہوتا ہے جن کی پردہ کشائی کی ہمت کسی میں نہیں ہوتی۔علاوہ ازیں وہ برتر حکمراں گروہ ایسے قوانین بنالیتے ہیں جن سے ان گناہوں اور برائیوں کو جواز مہیا ہوتا ہے اور انہیں برائی نہیں سمجھا جاتا۔حسب موقع کبھی یہ قوانین دنیوی ہوتے ہیں اور کبھی ان کو مذہب اور عقیدہ کا چولا پہنا دیا جاتا ہے جب برائیوں کو قانون کی سرپرستی مہیا کردی جاتی ہے تو یہ سماجی امراض نچلے طبقات میں پھیل جاتے ہیں اور قوم غیر محسوس طور پر زوال وسقوط کی ڈھلان پر قدم ڈال دیتی ہے۔قوم خوش قسمت ہو اور اس میں اصلاح کی طرف لوٹنے کی جان باقی ہوتو اس کے اندر اصلاح کی دعوت دینے والا کوئی فرد یا کوئی جماعت سامنے آجاتی ہے اور کم سے کم معاشرہ کے ایک حصہ کو بچا لیتی ہے، ورنہ وہ قوم تاریخ کے کھاتے میں ڈال دی جاتی ہے۔

پیغام ہودؑ کے دو پہلو: قوم عاد میں حضرت ہودؑ اللہ کے فرستادہ تھے اور توحید کا پیغام ان کی دعوت کا اصل اصول تھا، جیسا کہ تمام انبیاء کی سیرتوں سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ برابر توحید الٰہی پر اصرار کرتے رہے کیونکہ اس عقیدہ کے بغیر صرف فساد اور ظلم کو راہ ملتی ہے اور انسان تباہی کی سمت بڑھتا چلا جاتا ہے۔عقیدۂ توحید کا عمرانی پہلو اہم ہے۔اس عقیدہ سے معاشرہ میں اعتدال پیدا ہوتا ہے جو اخروی کامیابی کے ساتھ دنیوی فلاح کی شرط ہے۔ چنانچہ حضرت ہودؑ کی شخصیت کا دوسرا پہلو عمرانی تھا جو ان کے پیغام اور دعوت کے معاشرتی عنصر سے عبارت تھا۔اسی اعتبار سے ان کی شخصیت کا تہذیبی پہلو سامنے آتا ہے۔

تمام انبیاء کی دعوت میں دو باتیں بہت نمایاں نظر آتی ہیں۔شرک سے توبہ اور توحید کی طرف اجتماعی واپسی، نیز معاشرتی بیماریوں سے توبہ اور سوسائٹی میں خیر کے ذریعہ برکت اور کثرت کی ضمانت۔اس بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ہودؑ بھی اپنی قوم کی ارتقائی صلاحیت کو ضائع ہونے

سے بچانا چاہتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ان کی قوم شرک کے پیدا کردہ گناہوں اور برائیوں پر مصر رہی تو سارا زور ٹوٹ جائے گا اور علم وترقی سب ملیامیٹ ہوجائے گی۔ قوم کو اس بدحالت سے بچانے کی ایک ہی صورت تھی۔ انہوں نے ان نعمتوں پر شکرگزاری کا مشورہ دیا:

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (الاعراف ۷:۶۹) — تو یاد کرو اللہ کے احسانات تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔

اس کا آسان طریقہ یہ تھا کہ:

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ (هود ۱۱:۵۲) — اے قوم، استغفار کرو، پھر توبہ کرو اور اس کی طرف لوٹو، تو وہ آسمان سے موسلادھار بھیجے گا اور تمہاری قوت میں اور قوت بڑھائے گا۔

امام ابوحیان اندلسی (بحر المحیط ۵:۲۳۳) نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ہودؑ کا وعدہ تھا کہ ایمانی قوت جسمانی قوت میں اضافہ کا سبب بنے گی؛ یعنی عقیدۂ توحید کی بناء پر وعدہ صاف صاف جسمانی اور فوجی قوت میں اضافہ کے متعلق تھا۔ مولانا کاندھلوی (معارف القرآن ۴:۴۳-۴۴) نے کہا کہ وعدہ تھا اللہ عاد کی مالی، بدنی قوت بڑھائے گا اور دولت واولاد میں برکت دے گا۔

دنیا کی پہلی سپر پاور قوم: سورۃ الفجر کی تفسیر میں مفسرین کا عام بیان یہ ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد اور وہ دونوں بادشاہ بنے اور سب پر غالب آگئے پھر شدید مرگیا اور تمام حکومت شداد کو مل گئی اور وہ ایک قاہر بادشاہ بن کر سامنے آیا۔ وہ دنیا کا بادشاہ ہوا۔ علامہ آلوسی (روح المعانی ۸:۱۵۶)، امام بیضاوی (انوار التنزیل ۵:۴۸۷)، امام قرطبی (احکام القرآن ۵/۲۰:۴۷) نے وضاحت کی کہ شداد تمام ''معمورۂ ارض'' کا بادشاہ تھا۔ امام نسفی (مدارک التنزیل ۳:۱۱۰۲) نے اضافہ کیا کہ اس زمانہ کے (دیگر) بادشاہ شداد کے ماتحت ہوگئے تھے۔ امام قرطبی (احکام القرآن ۵/۲۰:۴۷) اور امام بیضاوی (انوار التنزیل ۵:۴۸۷) نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ ساری دنیا کے بادشاہ شداد کے آگے جھکتے تھے۔ امام اندلسی (بحر المحیط ۴:۳۲۸)

نے کہا کہ عاد کو زمین کی بادشاہت دی گئی تھی۔ **الکشاف** میں علامہ محمود زمخشری نے بیان کیا ہے کہ انہیں مخلوقین انسانوں اور جنوں میں فضیلت دی گئی تھی۔ امام اندلسی نے سدی، ابن اسحاق اور شیخ الاسلام زکریا انصاری کے حوالہ سے بھی اس کی تائید کی ہے۔ شیخ الاسلام نے مزید کہا کہ عاد کو زمین پر اقتدار واستیلاء دیا گیا تھا۔

زمخشری، قرطبی، بیضاوی، نسفی، اندلسی اور پانی پتی کا بیان ہے کہ شداد نے جنت کا ذکر سنا تو روئے زمین پر جنت بنانے کا ارادہ کیا جس میں محلات سونے اور چاندی کے، ستون زبرجد اور یاقوت کے تھے، قسم قسم کے درخت لگائے اور چکردار بہتی ہوئی نہریں (**المطردہ**) بنائیں اور اس جنت ارضی کا نام ارم رکھا جس کی کوئی نظیر دنیا میں نہیں تھی۔ یہ بھی کہا گیا کہ شداد نے دنیا بھر کے بادشاہوں کو زروجواہر مہیا کرنے کا حکم دیا اور ساری دنیا کی دولت اس کے پاس جمع ہوگئی کیونکہ روئے ارض کا کوئی بادشاہ شداد کی حکم عدولی نہیں کرسکتا تھا۔ اس جنت کے مکمل ہونے میں ایک دن رات رہ گیا اور بادشاہ اپنے امراء کے ساتھ اسے دیکھنے کے لیے روانہ ہوا تو ایک زبردست چنگھاڑ نے شداد کو اس کے تمام درباریوں اور امیروں سمیت مٹا ڈالا۔ ان مفسرین میں امام بیضاوی نے جنت ارم کے قول کو ضعیف کہا ہے۔ ابن خلدون نے بھی اس قصہ کو بے اصل خرافات قرار دیا ہے (**تاریخ العبر ۱:۳۰**)۔ مگر اس تردید سے عاد کی سیاسی قوت اور وسیع حکومت کی تردید نہیں ہوتی کیونکہ اسی ذیل میں خود ابن خلدون نے مسعودی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شداد نے ممالک شام وعراق کے علاوہ ہند کو بھی فتح کرکے اپنی سلطنت میں ضم کرلیا تھا۔

تفسیری اطلاعات سے چار باتیں ثابت ہوتی ہیں؛ اول عاد کے شہنشاہ شداد کی حکومت ساری دنیا پر تھی۔ دوئم قرطبی، بیضاوی، نسفی، اندلسی، آلوسی کا اتفاق ہے کہ شداد معمورۂ ارض ساری مہذب دنیا کا بادشاہ تھا۔ سوئم موجودہ زمانہ کی رعایت کرتے ہوئے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ قوم عاد دنیا کی پہلی سپر پاور تھی جس کا حکم ساری یک قطبی مہذب دنیا پر چلتا تھا۔ چہارم ساری دنیا پر حکومت کرنے یا دوسرے حکمرانوں کو اپنے سامنے جھکانے کی شرط مادی علوم میں انتہائی درجہ کی مہارت ہوتی ہے جو عاد کو حاصل تھی۔

ہمسری اور برتری کی کشمکش: ہمسر قومیں ایک دوسرے سے ٹکراتی تو ہیں مگر کسی ایک کی

برتری کبھی تسلیم نہیں کرتیں۔ یہ انسانی فطرت کے مغائر ہے۔ایک ہزار سال تک فارس اور یونان باہم دست وگریباں رہے،مگر دونوں برابر کی طاقت تھے تو شکست وفتح کی طویل تاریخ کے باوجود کوئی ایک کسی کو اپنے سامنے نہ جھکا سکا۔استعماری دور میں برطانیہ ایک ایک کرکے باقی یورپی ملکوں کو دنیا کے بڑے خطہ سے بے دخل کرتا چلا گیا کیونکہ علم عناصر اور سیاسی قوت میں کوئی اور یورپی ملک اس سے برتر نہ تھا۔گزشتہ صدی میں امریکہ(اور اس کے یورپی اتحادی)اور معدوم سوویت یونین برابر کی ٹکر کی طاقتیں تھیں اس لیے ان میں سے کوئی بھی دوسرے پر راست جارحیت کی جرأت نہ کرسکا۔

اگر دنیا کی قومیں اور بادشاہ عاد وشداد کے سامنے جھک گئے تھے تو اس کا سبب ہوگا۔ان میں کوئی بھی عاد کا ہمسر نہیں تھا۔حقیقت یہ ہے کہ ایجادی مادیات اور اختراعی استعداد میں برتر قوم کے پاس وہ مادی ذرائع اور وسائل موجود ہوتے ہیں جو دوسروں کی ہمسری کے دعوؤں کو کچل پھینکتے ہیں اور جب کوئی ہمسر باقی نہیں رہتا تو برتر قوم کھلے عام ظلم و جبر،فساد اور تشدد پر اتر آتی ہے۔مفسرین کے بیان کے مطابق یہی کچھ عاد کے ساتھ بھی ہوا۔شداد اور قوم عاد کو معمورۂ ارض پر اقتدار واستیلاء ملا تھا تو لازم تھا کہ مادی علوم عناصر میں اس کا مقام باقی قوموں سے کہیں زیادہ اونچا ہو اور اسی مہارت کی وجہ سے وہ باقی دنیا کو اپنے سامنے جھکنے پر اپنے احکام کی تعمیل کرنے پر مجبور کرتی تھی۔اپنے علم اور ترقی کی رفتار پر تبختر اور تکبر نے ان کے حکمراں ٹولے اور پھر باقی قوم میں اعلیٰ انسانی جذبات کو کچل دیا۔ان کے لیڈر ظالم و جابر بن گئے،حق سے دشمنی پر اترے تو انسانوں سے دشمنی کرنے لگے۔تشدد اور انتہاپسندانہ اقدامات اور مالی رشوتوں اور بدعنوانیوں کے ذریعہ عام لوگوں کو اپنے اعتقادات کو قبول کرنے پر مجبور کرنے لگے،خود اتنے بے رحم ہوگئے کہ ذرا ذرا سی بات پر موت کی سزائیں سناتے اور زیردستوں پر کوڑے برساتے۔سرداروں کی برائیاں عام لوگوں میں رائج ہوئیں تو نتیجہ میں ساری قوم ظلم وتشدد اور شیطنت و جہالت کی لائی ہوئی تباہی اور دائمی خسران کا شکار ہوئی۔اسی کو سنت اللہ کہا گیا ہے جو نہ بدلتی ہے(الاحزاب ۳۳:۶۲؛ فاطر ۳۵:۴۳؛ الفتح ۴۸:۲۳)اور نہ پلٹتی اور رخ پھیرتی ہے(فاطر ۳۵:۴۳)پھر چاہے یہ بات مجرم قوموں کو کتنی ہی بری کیوں نہ لگے(الانفال ۸:۸)۔

قوموں کی بقا اور فنا کی وجوہات: ظلم کے دو درجے ہوتے ہیں۔ ایک تو قومیں خود اپنے ہم قوم، ہم وطن، ہم مذہب انسانوں پر ظلم و جور کرتی ہیں۔ اس ظلم کا دائرہ محدود ہوتا ہے اور عموماً ایسا ظلم باقی دنیا کی نظروں سے اوجھل رہتا ہے یا کوئی اس کی پرواہ نہیں کرتا کیونکہ ظالم قوم سے سب کمتر ہوتے ہیں یا کسی میں ظالم گروہوں کا ہاتھ پکڑنے کی ہمت یا اخلاقی جرأت نہیں ہوتی۔ دوسرا درجہ اپنے ملک و قوم سے باہر دیگر قوموں پر ظلم و جور کا ہوتا ہے۔ اس قسم کے ظلم کا پھیلاؤ وسیع ہوتا ہے اور اپنے نواح اور پڑوس سے آگے ساری دنیا تک اس کا دائرہ پھیل سکتا ہے۔ عمرانی کلیہ ہے کہ جب کسی قوم کا کوئی ہمسر باقی نہیں رہتا تو وہ اس قسم کے ظلم عام پر اتر آتی ہے اور پھر اسے اپنی تباہی کی سمت دیوانہ وار دوڑنے سے کوئی نہیں روک سکتا۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ عہد پارینہ میں اول تو فارس کو روم پر میقاتی تقدم حاصل تھا، پھر فوجی قوت، تہذیب و تمدن، صنعت و دست کاری، اختراعات اور فن تعمیر میں فارس کا مقام روم سے کہیں زیادہ بلند تھا اور وہ حکومت اسی درجہ ظالم و جابر بھی تھی اور اسی وجہ سے ایک بار سکندر مقدونی کی سپہ سالاری میں یونانیوں نے اسے برباد کیا اور دوسری بار خود اس کا ظلم و فساد اور تکبر اسے لے ڈوبا جب کسرائے ایران خسرو ثانی (م: ۶۲۸ء) کے بعد یزدگرد ثالث (۶۳۲-۶۴۲ء) تک لگا تار ۱۶ بادشاہ اس عظیم اور مہذب و متمدن، مگر خودسر اور سرکش شہنشاہیت کو بربادی و تباہی سے نہ بچا سکے۔ اس کے برعکس مشرقی رومی شہنشاہیت کمزور قیصروں کے باوجود صرف اس لیے مزید آٹھ صدیوں تک دنیا میں باقی رہ گئی کہ دوسری خرابیوں کے مقابلہ میں وہ حکومت نہ اپنے عوام پر ظالم تھی اور نہ پڑوسیوں اور باقی دنیا کے انسانوں کے لیے موجب تکلیف تھی تاریخ کا یہ عمرانی نکتہ مورخین کی نظروں سے اوجھل ہے کہ جنگ قادسیہ (نومبر ۶۳۶ء/ ۱۵ھ) میں فارس کی کسرائیت کے پرخچے اڑ گئے تھے مگر جنگ یرموک (اگست ۶۳۶ء/ ۱۵ھ) کے بعد بھی بیزنطینی قیصریت کا وجود برقرار رہ گیا۔ قدیم دنیا کی ان دو بڑی طاقتوں کی ان متضاد تقدیروں کا کوئی عمرانی یا اخلاقی سبب ضرور ہوگا۔

عاد کا ظلم دگنا تھا۔ وہ مال و دولت اور املاک و جائداد کے حریص تھے اور ان کے حصول کے لیے ہر جائز و ناجائز حربہ استعمال کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔ ظلم کا یہ پہلو داخلی طور پر بھی اس قوم کو

گھن لگا رہا تھا اور اس کا خارجی پہلو اس کے سیاسی جسد کو کمزور کر رہا تھا۔ عاد اپنے عہد کی بہت بڑی فوجی طاقت تھے اور اس طاقت کو ظلم و جبر اور دیگر قوموں کی تذلیل اور تباہی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ امام اندلسی (بحر المحیط ۵:۲۳۳) نے سورہ ہود (۱۱:۵۲) کی تفسیر میں صاف لفظوں میں بیان کیا ہے کہ عاد کے لوگ ایسے بے رحم تھے اور ان کو ایسی برتری اور بھاری فوجی قوت حاصل تھی کہ اس کے جا و بے جا استعمال سے انہیں گریز نہ تھا اور ہر علاقہ میں قوموں کو غارت کرنے اور ان کی توہین و تذلیل کرنے میں انہیں باک نہ تھا: بأس مھیئین فی کل ناحیه۔

ایک قرآنی اصطلاح: امام اندلسی نے تفسیر میں عاد کے سلسلہ میں لفظ بأس استعمال کیا ہے۔ دراصل یہ ایک قرآنی اصطلاح ہے اور اس سے مراد جنگ اور سامان جنگ اور ہتھیار وغیرہ ہوتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مولانا مفتی محمد شفیع تک ممتاز مفسرین نے وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ (الحدید ۵۷:۲۵) کی تفسیر میں اس لفظ سے جنگ، آلات حرب، فوجی قوت وغیرہ مراد لیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں اسے سلاح کہا جسے جہاد فی سبیل اللہ میں استعمال کیا جائے۔ ابن عطیہ کا قول ہے کہ اس کا مطلب ہے اسلحہ دشمنوں سے لڑنے کے لیے (بحر المحیط ۸:۲۲۵)۔ امام قرطبی (احکام القرآن ۱۷:۲۶۱) نے وضاحت کی کہ آہنی آلات میں قتل کیے جانے کا شدید خوف ہے۔ یہی بأس ہے۔ امام بیضاوی (انوار التنزیل ۵:۳۰۴) نے کہا بأس سے مراد آلات حرب ہیں جو لوہے سے بنائے جاتے ہیں کفار کے خلاف جہاد کرنے کی خاطر۔ امام بغوی (معالم التنزیل ۸:۴۱) نے قوت شدیدہ یعنی اسلحۂ جنگ کہا، اور مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آہن سے دفاع اور ضرب کے آلات بنتے ہیں۔ امام طبری (جامع البیان ۱۰/۲۳:۲۰۱) نے بھی اسے قوت شدیدہ کہا ہے، اس اضافہ کے ساتھ کہ آہنی سیوف و سلاح سے ظالموں کا علاج کیا جاتا ہے۔ امام رازی (مفاتیح الغیب ۱۶: ۲۱۰-۲۱۱) نے کہا کہ دشمنوں سے سیف کے ذریعہ معاملہ کیا جاتا ہے، ناپسندیدہ لوگوں کو سیدھا رکھا جاتا ہے، غیر مطلوب اور ضرر کو دفع کیا جاتا ہے، مزاحمت کے کام آتا ہے۔ یہی سلطان ہے۔ مفتی محمد شفیع (معارف القرآن ۸:۳۲۰-۲۲) نے اس کا مطلب شدید ہیبت بتایا ہے کہ مخالفین پر آہنی آلات حرب کا رعب پڑتا ہے اور اس سے سرکشوں کو احکام کا پابند بنایا جاتا ہے کیونکہ سرکش

معاند جوکسی دلیل سے نہیں مانتا۔ اگر اس کو آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ دنیا میں عدل وانصاف قائم نہ ہونے دے گا اس کو پابند کرنا لوہے کا کام ہے جو حکومت وسیاست کرنے والے آخر میں بدرجۂ مجبوری استعمال کرتے ہیں۔ علامہ آلوسی (روح المعانی ۲۷:۱۸۸) نے عذاب شدید مراد لیا کہ لوہے سے آلات الحرب بنتے ہیں اور ان کی مدد سے عدل قائم ہوتا ہے اور ظلم کا قلع قمع کیا جاتا ہے۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (تفسیر مظھری ۱۱:۱۹۷) نے کہا کہ بأس شدید بمعنی جنگ ہے اور جنگ کے آلات لوہے سے ہی بنائے جاتے ہیں۔ مولانا اشرف علی تھانوی (بیان القرآن ۷۹۱) نے سورہ النمل (۲۷:۳۳) کی تفسیر میں اس سے بڑے لڑنے والے مراد لیا ہے۔ مولانا محمد ادریس کاندھلوی (معارف القرآن ۷:۶۷۵) نے لکھا کہ لوہے میں سختی ہے جو محض ظاہری اور مادی نہیں۔ بلکہ جہاد میں (اس کا) استعمال ہے جو ہدایت کا ذریعہ ہے (فقط دشمنوں کو قتل کرنے کا نہیں)۔ جو لوگ اپنی طبعی کجروی سے باز نہ آئیں، نہ اللہ کے احکام کو مانیں، نہ انصاف کی ترازو کو سیدھا رکھیں جس سے نظام عالم اور اس کا امن وراحت وابستہ ہے تو پھر ان سے جہاد وقتال ہوگا، تلوار اٹھانی پڑے گی۔ لوہے سے ہی کام لینا پڑے گا۔ عبداللہ یوسف علی نے اپنے انگریزی ترجمہ وشرح قرآن حکیم میں بأس کے معنی علی العموم فوجی طاقت کے لکھے ہیں۔

تہذیب سازی میں آہن کا کردار: بأس کا لفظ قرآن حکیم میں البقرہ ۲:۱۷۷؛ النساء ۴:۸۴؛ الانعام ۶:۶۵؛ الاسراء ۱۷:۵؛ الکہف ۱۸:۲؛ النمل ۲۷:۳۳؛ الاحزاب ۳۳:۱۸؛ غافر/المومن ۴۰:۲۹؛ الفتح ۴۸:۱۶ میں وارد ہوا ہے اور ہر جگہ اس کا مفہوم فوجی قوت، اسلحہ، آلات حرب، دفاع، ضرب، جنگ وغیرہ بیان ہوا ہے۔ اسی تناظر میں ابن کثیر (تفسیر ۳۰:۲۴۷) نے سورہ الفجر کی تفسیر میں قوم عاد کے ہتھیاروں کا ذکر کیا ہے کہ وہ بہترین ہتھیاروں والے تھے۔ چنانچہ بأس کی تحقیق کا مقصد یہی واضح کرنا تھا کہ قوم عاد ایک بڑی فوجی طاقت تھی، ہتھیار بناتی تھی، آہن اور دیگر دھاتوں اور معدنی مرکبات کے فن سے واقف تھی کیونکہ اس کے بغیر اسلحہ سازی کی صنعت کام نہیں کرسکتی۔

قوم عاد کی صناعی کا کچھ اندازہ آہن کے مصالح الناس کے ذیل میں امام رازی کی دی ہوئی تفصیل سے ہوسکتا ہے۔ مفاتیح الغیب (۱۶:۲۱۱) میں انہوں نے آغاز اس سے کیا کہ

آہن سلطنت وحکومت کی اساس ہے، جیسا کہ لوہے کی فوجی بلکہ تادیبی اہمیت اوپر بیان ہوچکی ہے۔اس کے علاوہ مکانات کی بنیادوں اور تعمیرات میں کمال کے لیے آہن درکار ہے زراعت، پارچہ بافی اور کپڑے کترنے اور سینے کے لیے، کھانا بنانے اور کھانے کے برتن اور پھل چھیلنے اور تراشنے کی چھلنیاں اور چاقو، اناج سے آٹا پسنے، روٹی بنانے، کرسیاں اور نشستیں بنانے غرض ہر اس کام میں جو تہذیب مدن کے لیے لازمی ہو، لوہا سب سے اہم عنصر ہے۔ یہ تفصیل امام رازی جیسا مفکر ہی دے سکتا تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ سونا لوہے کے مقام تک نہیں آتا، جو منافع لوہے کے ہیں وہ سونے کے ہرگز نہیں ہیں۔ یہ بھی لوہے کی فضیلت ہے کہ وہ آسانی سے کثیر مقدار میں دستیاب ہے جبکہ سونا مشکل سے اور قلیل مقدار میں ملتا ہے۔

ایک ایسی قوم جو دولت مند ہو، جو اپنے مادی طبیعیاتی علوم پر مغرور بھی ہو، جو اعلیٰ پایہ کی صنعت گر بھی ہو، جس کے پاس ہتھیار بنانے کی استعداد بھی ہو اور جو ظالم و جابر بھی ہو کہ کمزور اقوام اور پڑوسیوں کی توہین و تذلیل کرنے اور ان ملکوں میں لوٹ مار کرنے سے اسے عار نہ آئے، وہ قوم کسی بھی پیمانۂ تہذیب پر معمولی درجہ کی قوم ثابت نہیں ہوتی۔ بے شک عاد کا تہذیبی مقام اونچا تھا۔ اسی لیے اس میں فساد بھی بہت شدید تھا۔ اسی لیے اس کے پاس ایک جلیل القدر نبی کو بھیجا گیا تھا۔

ہوس اور حرص کا بازار: عاد کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں تھی لیکن دولت کا خاصہ حرص اور لالچ ہے۔ مال کتنا بھی ہو اہل ثروت کو کم ہی لگتا ہے اور مزید کی ہوس انہیں پاگل بنائے رکھتی ہے۔ عاد بھی مال دولت اور املاک و جائداد کے بڑے حریص اور لالچی تھے (اندلسی/ **بحر المحیط** ۵:۲۳۲-۲۳۳) اور اس مقصد کے لیے لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ ادھر ادھر نکلتے لوگوں کو مار پیٹ کر جبراً قہراً ان کے ملک و مال پر غاصبانہ قبضہ کر لیتے (**ابن کثیر** ۸:۲۹۰)۔ یہاں یہ نہ سمجھا جائے کہ عاد معمولی قسم کے لٹیرے تھے جو راہ گیروں کی جیبیں کاٹ لیتے تھے۔ بلند مقام تہذیب اس کی اجازت نہیں دیتی۔ اس کے علاوہ کسی چلتے پھرتے آدمی کی جیب سے کتنا مال ملے گا جو کسی ثروت مند کی حرص کا پیٹ بھر سکے گا۔ وہ قوم جس کے سردار اور اہل دولت اونچے برجوں والی بلند و بالا عمارتوں میں بیٹھ کر ستاروں کی گردشوں میں انسانی تقدیر کے رموز ڈھونڈتے ہوں، کھیل

تماشے کرتے ہوں، اوروں کی تذلیل وتوہین اور بے شرمی سے ان کا مذاق اڑاتے ہوں (بیضاوی/ انوار التنزیل ۴:۲۴۷؛ نسفی/ مدارک التنزیل ۲:۱۷۸؛ کاندھلوی/ معارف القرآن ۵:۵۲۶) ان کی طلب زر گرہ کٹ کا پیشہ نہیں ہوسکتی تھی ۔ وہ کچھ اور ہی بات تھی ۔ اس نکتہ کو آج کی دنیا میں زیادہ بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

تہذیب جب عروج پر آتی ہے تو سر براہان تہذیب اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے ایسے قوانین بناتے ہیں جن سے دوسری قوموں اور ملکوں کا مال اور ان کے وسائل پر غاصبانہ قبضہ کو انصاف قرار دیا جاتا ہے۔ اس کا ثبوت شداد کے واقعہ سے ملتا ہے کہ کس طرح اس نے اپنی باج گزار اور ماتحت قوموں سے زر وجواہر جمع کر کے وہ باغ بنایا تھا جس کا تذکرہ اساطیری رنگ اختیار کر گیا۔ یہ تھی مال دولت کی بے انتہا حرص اور لوٹ مار اور اسی مقصد کے لیے ان کی خوں ریز مہمات تھیں ۔ اپنے دفاع سے مجبور جن کمزور ملکوں میں ان کے قدم جاتے فتنہ وفساد، جرائم اور غارت گری ساتھ جاتی (شبیر احمد عثمانی/ تفسیر عثمانی ۲:۵۳۵-۵۳۷)۔ وہ بے شرمی سے قتل عام اور خوں ریزی پر لوگوں اور باج گزار قوموں کو اکساتے تھے اور خود اس قسم کے کاموں میں ملوث ہوتے تھے: التحریض علی القتال قتل وغارت گری پر لوگوں کو اکساتے تھے (اندلسی/ بحر المحیط ۵:۲۳۳).

سیاسی اور اقتصادی دائرہ اثر: اگر چہ عاد کا وطن اور مرکز حکومت یمن وحضر موت اور عمان میں احقاف کے علاقہ میں تھا، لیکن ایسی روایات سامنے آچکی ہیں کہ ان کا سیاسی تسلط اور اقتصادی استیلاء بحرین، عراق اور شام بلکہ ہندستان تک وسیع تھا اور حجاز کا مرکزی شہر مکہ ان کا حلیف اور وہاں کا عمالقی حاکم معاویہ ابن بکر عاد کا قرابت دار بھانجہ تھا (امام طبری/ جامع البیان ۱۲/۵: ۵۰۸)۔ حضرت ابن عباسؓ نے احقاف کے اثرات شام میں بتائے ہیں، یعنی یمن سے شام تک ان کا سیاسی استیلا اور اقتصادی تسلط تھا (قرطبی/ احکام القرآن ۳/ ۹:۵۱؛ آلوسی/ روح المعانی ۸:۱۵۶) اور عراق تک ان کا سکہ رواں تھا (بلندشہری/ جمالین فی شرح جلالین ۲:۳۷۸-۳۷۹)۔ نزول قرآن کے زمانہ میں یہ سب دور دراز علاقے تھے اور اہل حجاز کے لیے معروف بھی تھے۔ اس لیے مفسرین نے انہی کے ذکر پر اکتفا کیا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور علاقہ

تک عاد کا سیاسی اور اقتصادی دائرہ اثر وسیع نہیں تھا۔ ابن خلدون کا بیان ہے کہ شداد نے شام و عراق کے علاوہ ہند کو بھی فتح کر لیا تھا (تاریخ العبر ا:۳۰)۔ عاد کے شہنشاہ شداد نے باغ ارم کے لیے جو زر و جواہرات اکٹھا کیے تھے وہ صرف ان چند ملکوں سے حاصل نہیں ہو سکتے تھے۔

اب یہ سامنے کی بات ہے کہ جس قدر اس دائرہ اثر کا پھیلاؤ ہوگا اسی قدر اسباب سفر کی سہولتیں بھی لازم ہوں گی اور اتنا ہی بسیط عاد کا نظام مصنوعات، اساس ایجادات اور منہاج تعلیم ہوگا اور اتنا ہی وسیع عاد کا مادی علم عناصر بھی ہوگا۔ لہٰذا اس کے باوجود کہ مؤرخین کے نزدیک یہ قوم اور اس کی تاریخ و تہذیب لائق اعتناء نہیں رہی، ایسے حسی اور منطقی شواہد موجود ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ عاد ایک بے حد ترقی یافتہ قوم تھی اور اس کا تمدن دنیا کی چند اہم ترین تہذیبوں کی فہرست میں شامل ہے۔

اس کی آخری دلیل یہ ہے کہ قرآن حکیم میں دیگر اقوام کے مقابلہ میں عاد کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے اور اس پر بھیجے جانے والے عذاب کو رہتی دنیا کے لیے نشان عبرت بنایا ہے۔ اس موضوع کو حیاتی اور علمی تحقیق کی ضرورت ہے۔ بے شک بعض شوقین امریکیوں نے اس سلسلہ میں کچھ نیم علمی کام کیا ہے مگر ان کا نقطۂ نظر مادی ہے اس لیے درست نتائج تک رہنمائی نہیں کرے گا۔

حضرت ہودؑ اور عربی زبان: قوم عاد کے چودھریوں اور کاہنوں اور حضرت ہودؑ کے مابین جو مکالمہ ہوا اس میں حضرت ہودؑ کے مختصر مگر نہایت جامع جواب کو کئی مفسرین نے حضرت ہودؑ کا معجزہ قرار دیا ہے۔

حضرت ہودؑ نے کہا استغفار اور توبہ کرو تو چھاجوں مینہ برسے گا، تمہاری قوت میں اضافہ ہوگا۔ مجرموں کا راستہ اختیار نہ کرو۔ وہ بولے اے ہود تم کوئی دلیل تو لائے نہیں کہ محض تمہارے کہنے سے ہم اپنے معبودوں کو ترک کر دیں۔ ہم ایسا کرنے والے نہیں ہیں بلکہ ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں کسی جنون اور برائی میں مبتلا کر دیا ہے۔ حضرت ہود نے کہا میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی سن لو کہ میں ان چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک بنا کر پوجتے ہو اور ایسا ہی ہے تو بلاؤ اپنے سارے معبودوں کو اور تم اور وہ مل کر میرے ساتھ داؤ گھات کر لو، ذرا

کسر نہ چھوڑو اور مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے جو میرا بھی رب اور تمہارا بھی رب ہے اور جو کچھ بھی اس زمین پر چلتا ہے اس کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے۔(ہود ۱۱:۵۲-۵۶)

یہ مدلل، جامع اور موجز ومختصر گفتگو اور طلاقت لسانی اور منطقی استدلال حضرت ہودؑ کا معجزہ تھا تو یہ اس بات کا بھی ثبوت ہے کہ قوم عاد منطقی طرز گفتگو کی ماہر تھی۔ طرفین کے اس طرز گفتگو سے اس ترقی یافتہ زبان کی طرف ذہن جاتا ہے جو حضرت ہودؑ بولتے تھے اور عاد کے ہاں رائج تھی۔ وہ کونسی زبان تھی؟

مفسرین کا قول ہے کہ حضرت ہودؑ کا پوتا اور سارے یمن کا حاکم یعرب بن قحطان بن ہودؑ پہلا شخص تھا جس نے عربی زبان بولی تھی، اس کے بعد ہی اس خطہ کے لوگوں نے اپنا نام عرب رکھا (اندلسی/ **بحر المحیط** ۴:۳۲۶)۔ امام اندلسی کی رائے ہے کہ حضرت ہودؑ عرب نہیں تھے مگر یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ عاد کو عرب بائدہ ختم ہوجانے والے عرب اور عرب عاربہ اصلی عرب اقوام میں ثمود، طسم، جدیس اور جرہم وغیرہ کے ساتھ شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی تصدیق مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (**قصص القرآن** ۱:۱۰۳) نے یاقوت حموی (**معجم البلدان** ۶:۱۲۹) کے حوالہ سے کی ہے۔

ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ طوفان نوحؑ کے بعد بنی سام ابن نوحؑ کی نسلوں میں ایک سامی زبان کے اصوات والفاظ مرتب ہونے شروع ہوگئے تھے اور حضرت ہودؑ کا زمانہ آتے آتے یہ ایک امتیازی پیرایہ اظہار بن چکی تھی۔ اس دلیل سے قوم نوحؑ بھی کوئی ایسی زبان استعمال کرتی تھی جو عربی سے قریب بلکہ عربی کی ماں کہلا سکتی ہے، البتہ ممکن ہے یعرب بن قحطان بن ہود نے اس زبان کے قواعد مرتب کیے ہوں جن کی مدد سے یہ ایک مکمل اور سائنٹفک زبان بن گئی۔ اس کا مطلب ہوا کہ حضرت ہودؑ کے زمانہ میں عربی زبان کے خدوخال واضح ہونے لگے تھے اور اسے ایک درجہ میں علمی زبان کا درجہ حاصل ہو چکا تھا۔ اس خیال سے انکار کردینا آسان ہے، لیکن اسی کے ساتھ قوم نوح اور قوم ہود کے تہذیبی ہی نہیں عمرانی وجود کا انکار بھی لازم ہوگا اور فقط یہی نہیں بلکہ سفینہ نوح اور عمان وحضرموت میں عاد کے ستونوں کے آثار کی

نفی بھی لازم آئے گی۔

یہاں یہ عمرانی کلیہ پیش نظر رہے کہ تہذیب بننے کی ایک بنیادی شرط قوم کے پاس ایک ایسی محکم زبان کا ہونا لازم ہے جس میں علمی او رسائنسی تحقیقات ہوسکیں اور جو ایجادات و اختراعات کا علمی وزن اٹھا سکے۔ جن قوموں کی زبانوں نے یہ شرط پوری نہیں کی وہ دنیا کو کوئی تہذیب بھی نہیں دے سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک زبان جب تک ادبیات عامہ سے ادبیات عالیہ کے مقام تک نہ آئے اور ادبیات عالیہ سے علوم عالیہ کی سمت پیش رفت نہ کرے وہ کسی تہذیب کا تاج نہیں بن سکتی۔ اوپر دیکھ چکے ہیں کہ عاد نے بڑے بڑے بلند و بالا محلات اور قلعے تعمیر کیے، فن تعمیر کو ایک نیا رخ دیا اور عمارتوں کو دیر پا بنانے کے لیے ستون ایجاد کیے جن پر وہ عظیم و محکم عمارتیں اٹھائی جاتی تھیں، علم سیاست میں وہ مقام حاصل کیا کہ ساری دنیا ان کے زیر اثر اور زیر تسلط آگئی۔ یہ سب کچھ کوئی گونگی، بے زبان اور بے علم اور بے وقار قوم نہیں کرسکتی تھی۔ ان کاموں کے لیے قوم کی لسانی میراث میں ایک فاخرہ زبان ضروری تھی تاکہ اس کا علمی خزانہ تحقیقی جواہرات سے لبریز ہوجائے۔ پھر اگر تین نسل بعد ایک زبان لغوی اور لسانی استحکام کو پہنچنے والی تھی تو وہ اچانک یعرب بن قحطان پر نازل نہیں ہوگئی تھی بلکہ تین نسل پہلے یقیناً ایک وقیع علمی زبان بن چکی تھی۔ زبانیں مدتوں کی بول چال کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ سرکاری سرپرستی میں کوئی زبان ترقی کرسکتی ہے، لیکن زبان بذات خود کمزور ہو تو سرکار اور قوم دونوں کو لے ڈوب سکتی ہے۔ یہ بات ثابت ہے کہ قوم عاد اپنی زبان کی کمزوری کی وجہ سے تباہ نہیں ہوئی تھی، بلکہ حقیقتاً بے مہار زبان آوری نے اسے فنا کے گھاٹ اتار دیا تھا۔

منطق اور اجتماعی تمسخر کا فن: قوم عاد خالی خولی باتیں نہیں کرتی تھی بلکہ اپنے خیال کی دلیل بھی رکھتی تھی۔ اونچے برجوں میں واقع کلب نما انجمنوں میں بیٹھ کر دوسری قوموں کا مذاق بنانے والے لوگوں کے بارے میں یہ نہیں سوچا جاسکتا کہ وہ بازاری لوگ تھے اور بازاری زبان بولتے تھے۔ استہزاء و تمسخر اور بازاری گالی گفتار میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ عاد کی زبان آوری کا اندازہ حضرت ہودؑ سے ان کی جھک بحث سے ہوتا ہے۔ بلاشبہ ان کی منطق غلط تھی، مگر بحث ان کی زبان آوری سے ہے جسے وہ مجبور و کمزور افراد اور قوموں کے خلاف اپنا دعویٰ مرتب کرنے میں بھی استعمال کرتے تھے۔

زبان آور قومیں لفاظی کے ذریعہ آج بھی اسی طریقہ پر عمل کرتی ہیں، اس سے دو نکتے سمجھ میں آتے ہیں۔ اول یہ کہ منطق کے علم کے موجد عاد تھے، اگر چہ یہ فن معدوم ہوگیا اور افلاطون وارسطو نے اسے از سرنو دریافت اور مرتب کیا۔ دوسرے کارٹون کشی اور خاکہ نگاری کے ذریعہ لوگوں کا مذاق اڑانے کی رسم کا آغاز بھی بظاہر عاد ہی نے کیا تھا۔ یہ جو روایت ہے کہ اونچے برجوں میں بیٹھ کر وہ غیروں کا مذاق اور مضحکہ اڑاتے تھے تو ضروری نہیں کہ وہ عام راہ گیروں سے بازاری چھیڑ چھاڑ ہو۔ اگر عاد کو ایک مہذب اور ترقی یافتہ قوم مانا جائے تو یہ بہر حال سوقیانہ اور غیر مہذب حرکت تھی۔ چنانچہ اس طنز، تنقید اور تعریض کا نشانہ بظاہر وہی افراد اور اقوام بنتی تھیں جن کو برج نشین لوگ حقیر اور کمتر گردانتے تھے۔ موجودہ تہذیب کے پیرائے میں اس کو سمجھنے کے لیے ابلاغیہ میں بنائے جانے والے سیاسی اور معاشرتی کارٹون اور مہذب و دانشمند لوگوں کا خاکہ اڑانے جیسی باتوں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔ یہ دعویٰ شائد حد سے تجاوز کرے کہ عاد کے پاس ابلاغیہ اور کارٹون سازی جیسی کوئی بات تھی، لیکن بین الاقوامی تعلقات میں ایسی روایت قائم کرنے میں ان کا حصہ ضرور ہوسکتا ہے کیونکہ ان کا سیاسی اور معاشی استیلاء شام، بحرین، عراق اور ہند تک پھیلا ہوا تھا اور شداد کے قصہ میں اس سے بھی آگے تک کا اندازہ قائم ہوتا ہے۔ ان محکوم قوموں کو عاد برابر کا درجہ نہیں دیتے تھے اور اس لیے اگر ان سے حقارت کے اظہار میں ان کا مذاق اڑاتے ہوں تو یہ ان کے ترقی یافتہ ہونے پر قطعی دلیل ہے۔

شرک اور معاشرتی فساد: عاد کی تہذیب، ان کی معاشرت اور مزاج کے مثبت اور منفی پہلوؤں پر بات ہوچکی ہے جس سے تاریخ تہذیب میں ان کا مقام متعین کرنا آسان ہوگیا ہے۔ ان کی تہذیب میں بھی ہر ترقی یافتہ تہذیب کی طرح کچھ ناقابل برداشت باتیں رائج ہوگئی تھیں۔ سب سے پہلی بات جو باقی تہذیبوں کی طرح عاد کی تہذیب میں بھی نمایاں تھیں وہ شرک اور اس پر اصرار اور اس کے حق میں ممکنہ عقلی اور منطقی دلائل کی بحث تھی۔ شرک کا ایک خاصہ معاشرتی فساد ہے۔ کوئی قوم شرک پر جتنی شدت سے اصرار کرتی ہے اتنا ہی اس کا معاشرہ بگڑتا ہے کیونکہ شرک نت نئے خداؤں کی تشکیل کے ذریعہ قوم کو ہر گناہ اور ہر جرم کا جواز مہیا کرنے کی سہولت دیتا. چنانچہ تاریخ کے ہر دور میں چوری، ڈاکہ زنی، جوا اور قمار بازی، زنا اور شہوت رانی، کذب و

افتراء، دھوکہ، فریب وغیرہ جرائم اور معاصی کو مشرک معاشروں میں مذہبی سرپرستی ملتی آئی ہے۔ ان سماجی برائیوں کے نتیجہ میں ظلم پروان چڑھتا ہے جو قوم کے اندر بھی سرطان کی طرح پھیل جاتا ہے اور قوم کے باہر سیاسی اور اقتصادی، تجارتی تعلقات میں بھی نظر آتا ہے۔ ظلم کے نتیجہ میں عدل ختم ہو جاتا ہے اور معاشرتی عدم توازن پیدا ہوتا ہے، یہاں تک کہ اعلیٰ اور سیاسی طبقہ کے لوگ خود کو اپنے بنائے ہوئے قانون سے بھی بالاتر سمجھنے لگتے ہیں اور کمزور، مجبور اور بے کس لوگ ظلم کی چکی میں پسنے لگتے ہیں مگر اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے کیونکہ کسی بھی قسم کا احتجاج خلاف قانون ہوتا ہے اور اسے خلاف تہذیب باور کیا جاتا ہے۔

عاد کے سربراہ اور چودھریوں کو قرآن حکیم میں جبارین (الشعراء ۲۶:۱۳۰) کہا گیا ہے یعنی زبردست زور آور گردن کش اہل ظلم و جور۔ امام طبری (جامع البیان ۸/ ۱۹:۲۷ ۳۷۲) نے جبارین کے معنی بتائے ہیں وہ لوگ جنہیں اقتدار اور سطوت مل جاتی ہے تو وہ بے گناہ لوگوں کے قتل عام پر تل جاتے ہیں۔ اس وقت جبارین ہتھیاروں اور دُرّوں سے بے گناہ لوگوں کے قتل عام پر کمر باندھ لیتے ہیں اور گرفت میں آجانے والوں پر کوڑے برساتے ہیں۔ جب ایک گمراہ معاشرہ ظلم و فساد کے اس مرحلہ میں داخل ہو جاتا ہے تو یہ انقلاب کا نقطہ ہوتا ہے۔ انقلاب مثبت بھی ہو سکتا ہے اور منفی بھی۔ اختیار خود اسی قوم کو دیا جاتا ہے۔

نبوت کا انقلابی رخ: اس انقلاب کی معاشرتی ضرورت اور روحانی قیادت کے اظہار کا نام قرآنی اصطلاح میں نبوت ہے۔ غلط کار قوم تبدیلی اور اصلاح کی اس دعوت کو قبول کرلے تو تہذیب کا مثبت معیار قائم کرتی ہے، قبول نہ کرے تو عذاب کی مستحق ٹھہرتی ہے۔ قوم عاد کی بھاری اکثریت نے دوسری صورت پسند کی۔ عاد کا ظلم و جور مستزاد تھا ان کے شرک اور گمرہی کے غرور پر۔ اسی غرور کے عالم میں انہوں نے عذاب طلب کرنے کی حماقت کی۔ عذاب کا آغاز پہلے تہدید و تنبیہ کے طور پر ہوا کہ تین سال تک پوری قوم میں نہ تو کوئی ولادت ہوئی اور نہ بارش کا ایک قطرہ آسمان سے ٹپکا (ابن ابی الدنیا/ العقوبات:۴۱)۔ اس وقت حضرت ہودؑ نے قوم کو مشورہ دیا (ھود ۱۱: ۵۲) کہ اللہ سے استغفار اور توبہ کرو تو چھاجوں پانی بھی برسے گا اور تمہاری تناسلی قوت بھی لوٹ آئے گی (پانی پتی/ مظھری ۶:۳۶؛ نسفی/ مدارک ۲:۱۴۱؛ مفتی محمد شفیع/ معارف القرآن ۴:۶۴۱)،

مال، مویشیوں، زراعت اور قومی عزت میں اضافہ ہوگا (آلوسی/ روح المعانی ۱۲: ۸۱)۔ اس کے جواب میں روسائے قوم نے گستاخانہ لہجہ اختیار کیا اور اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے سے صاف انکار کر دیا مگر قحط سالی کے اس ہلکے عذاب سے قوم عاجز آچکی تھی تو روسائے قوم نے قیل ابن عنز کی سرکردگی میں ۷۰ لوگوں کا ایک وفد مکہ روانہ کیا تا کہ وہاں حضرت آدمؑ کے تعمیر کردہ کعبۃ اللہ میں بارش کے لئے دعا کریں۔

ایک مہینہ تک عیش شبانہ میں کھوئے ہوئے وفد کو رئیس مکہ کی دوگانے والی کنیزوں نے مقصد سفر یاد دلایا تو وفد کو بارش کی دعا کا ہوش آیا۔ اس دعا کے نتیجہ میں آسمان پر تین بادل نمودار ہوئے: ایک سفید، ایک سرخ اور ایک سیاہ اور غیب سے آواز آئی کہ ان میں ایک بادل منتخب کرلو۔ قیل ابن عنز نے سیاہ بادل منتخب کیا کہ کالی گھٹا خوب برساؤ ہوتی ہے (طبری/ جامع البیان ۵/ ۱۲: ۵۱۲؛ ابن کثیر ۸: ۲۹۲)۔ غیب سے دوسری آواز آئی کہ سیاہ بادل عادیوں میں سے کسی کو نہ چھوڑے گا اور سب غارت ہوں گے۔ وہ سیاہ بادل عاد کے ایک میدان میں پہنچا جس کا نام المغیث تھا۔ اسے دیکھ کر لوگوں نے خوشیاں منائیں کہ یہ بادل ان پر برسے گا مگر حضرت ہودؑ نے کہا یہ وہی دکھ پہنچانے والا عذاب ہے جس کا تم نے مطالبہ کیا تھا (ابن ابی الدنیا/ العقوبات ۴۰؛ پانی پتی/ مظہری ۱۰: ۳۰۷)۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ مہد نامی ایک عورت بادل کو دیکھ کر بے ہوش ہوگئی۔ ہوش میں آکر بتایا کہ ہوا کی شکل میں آگ کا بگولہ ہے جسے فرشتے دہکا رہے ہیں اور گھسیٹتے چلے آرہے ہیں (طبری/ جامع البیان ۵/ ۱۲: ۵۱۲؛ ابن کثیر ۸: ۲۹۰-۲۹۱؛ آلوسی/ روح المعانی ۲۶: ۲۷؛ ابن ابی الدنیا/ العقوبات ۴۰)۔

ہولناک عذاب کی منظر کشی: بادل کا بگولہ آندھی بنا اور ہر شے ہوا میں اڑنے لگی تو عاد کو عذاب اور تباہ کاری کا اندازہ ہوا۔ باد سموم کی شدت اور زہرناکی کا یہ عالم تھا کہ ریتیلی ہوا ان کی ناکوں کے ذریعہ جسم میں داخل ہوتی اور بدن کو کاٹتی ہوئی فضلہ گاہوں سے باہر نکلتی تھی (اندلسی/ بحر المحیط ۵: ۲۳۳)۔ گھبرائے بولائے وہ سارے لوگ اندھا دھند بھاگے اور گھروں میں جا چھپے اور کھڑکیوں دروازوں کو تیغہ کر کے بیٹھ گئے۔ مگر آندھی نے دروازے اکھاڑ پھینکے، لوگوں کو زمین پر دے پٹکا اور مجرم قوم اپنے گھروں سمیت ریت کے اندر دفن ہوگئی۔ وہ آندھی

آٹھ دن سات رات مسلسل چلتی رہی۔ مکانات اور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا کہ عاد کی سواریاں، کارخانے، مویشی اور کوچ گاہیں (ظعینہ) سب پروں کی مانند زمین آسمان کے بیچ اڑ رہے تھے۔ انسان اور جانور ہوا میں اڑ کر آسمانی فضا تک جاتے پھر وہاں سے اوندھے منہ گرتے کہ سر الگ گرتا اور دھڑ الگ۔ سارے کے سارے ایسے ہو گئے جیسے کھجور کے تنے الگ ہوں اور شاخیں الگ۔ ہوا نے اول سنگباری کی جس سے کفار کے تکبر سے بھرے ہوئے دماغ پھٹ گئے۔ آندھی سواروں کو سواریوں سمیت اڑا کر اوپر لے جاتی اور پھر زمین پر پٹخ دیتی تھی۔ آندھی کے ہولناک زناٹوں کے ساتھ آسمان کی طرف سے انسانوں کی چیخ پکار سنائی دے رہی تھی یہاں تک کہ بے مثال مادی قوت اور ڈیل ڈول رکھنے والی قوم پوری کی پوری ہلاک و برباد ہو گئی۔ (ابن کثیر ۸:۲۸۹-۲۹۱؛ آلوسی/ روح المعانی ۲۶:۲۴-۲۶؛ پانی پتی/ مظھری ۱۰:۳۰۷؛ مفتی شفیع/ معارف القرآن ۴:۶۴۲)۔ سب ایک ہی وقت میں اس طرح ہلاک ہو گئے جیسے ایک ہی گھر کے اندر ہوں (اندلسی/ بحر المحیط ۸:۶۵)۔

قرآن حکیم میں اس آندھی کو حُسُوماً (الحاقہ ۶۹:۷) کہا گیا ہے جس کا مطلب ایسی ہوا ہے جس میں ہر چیز گردش میں آ گئی تھی (طبری/ جامع البیان ۵/۱۲:۵۱۸)۔ ابن ابی الدنیا (العقوبات:۴۰) نے حسوما کا مطلب جڑ کاٹنے والی بتایا ہے۔ سات دن بعد آندھی نے انباروں ریت کے اندر مدفون لوگوں کے بدنوں سے مٹی اڑائی اور ہوا کے جھکڑوں نے ان کی لاشوں کو اڑا کر سمندر میں لے جا پھینکا۔ یہاں تک کہ فَاَصْبَحُوْا لَا یُرٰٓی اِلَّا مَسٰکِنُھُمْ (الاحقاف ۴۶:۲۵) ان کے گھروں کے کھنڈروں کے سوا دیکھنے کو کچھ باقی نہ رہا (بغوی/ معالم التنزیل ۳/ ۷:۲۶۲؛ بیضاوی/ انوار التنزیل ۵:۱۸۲)۔ اسی وجہ سے احقاف کے علاقوں میں عاد کے آثار اور پتھرائی ہوئی ہڈیاں نہیں ملتیں۔ حالیہ کھدائیوں میں معلوم ہوا ہے کہ عاد کی بستیاں چھ سو فیٹ اونچے ریت کے تودوں کی تہوں میں دفن ہیں۔

جتنی مدت آندھی چلتی رہی حضرت ہودؑ اور تقریباً چار ہزار مومنین سمندر کے کنارے ایک باغ کے احاطہ (حظیرہ) میں بیٹھے تھے اور وہاں عاد کی بادسموم صرصر ان کے لیے باد صبا بن گئی تھی جس کے نرم جھونکے اہل ایمان کے لیے فرحت بخش تھے (طبری/ جامع البیان ۵/۱۲:۵۱۲)۔

بس ایک ہفتہ کے اندر برسہا برس کی انسانی محنت سے بنائی ہوئی تہذیب وتمدن، فوجی طاقت، سیاسی استیلاء واقتدار، تجارت واقتصاد سب کچھ بھولی بسری کہانی بن گیا۔ اپنے علم و تہذیب وتمدن اور ترقی کے بارے میں انسان کی یہ احمقانہ خوش گمانی قوم عاد کی تباہی کے ساتھ ختم نہیں ہوگئی تھی۔ ہر تہذیب اپنی انتہا پر اسی گمان میں رہتی ہے کہ اسے کوئی ختم نہیں کرسکتا۔ صدہا صدیوں سے انسان یہی ایک فرسودہ کہانی دوہراتا چلا آرہا ہے اور جب تمدنی ترقی کے کسی اونچے مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس تہذیب کے غلاموں کو خیال ہونے لگتا ہے کہ ان جیسا دنیا میں کبھی کوئی آیا تھا نہ آئے گا اور ان کی تہذیب کو کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی: **لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ** (الشعراء۲۶: ۱۲۹) گویا تم ہمیشہ رہوگے اور ایسے ہی رہوگے۔

اگر انسان کا یہ خیال درست ہوتا تو دنیا تہذیبوں کی تاریخ نہ پڑھا کرتی۔

کتابیات:

القرآن الحکیم: البقرہ۲۔ النساء۴۔ الانعام ۶۔ الاعراف ۷۔ الانفال ۸۔ ھود ۱۱۔ الاسراء ۱۷۔ الکہف ۱۸۔ الشعراء ۲۶۔ النمل ۲۷۔ الاحزاب ۳۳۔ فاطر ۳۵۔ المومن/ غافر ۴۰۔ فصلت ۴۱۔ الاحقاف ۴۶۔ الفتح ۴۸۔ الذاریات ۵۱۔ القمر ۵۴۔ الحاقہ ۶۹۔ الفجر ۸۹۔

توراۃ۔ انجیل۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ، تفسیر ابن عباس (اردو: حافظ محمد سعید احمد عاطف) مکی دارالکتب لاہور ۲۰۰۹۔

طبری، امام ابن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن، مؤسسۃ الرسالہ بیروت ۲۰۰۰۔

بغوی، امام حسین ابن مسعود، معالم التنزیل، دارطیبہ بیروت ۱۹۹۷۔

رازی، امام فخرالدین، مفاتیح الغیب۔

قرطبی، امام محمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن۔

بیضاوی، امام عبداللہ، انوار التنزیل، دارالفکر بیروت۔

نسفی، امام عبداللہ، مدارک التنزیل و حقائق التاویل (اردو: مولانا شمس الدین)، مکتبۃ العلم لاہور۔

اندلسی، امام ابوحیان، بحر المحیط، دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۹۹۳۔

ابن کثیر، حافظ عماد الدین، تفسیر ابن کثیر (اردو: محمد جونا گڑھی) مکتبہ قدوسیہ لاہور ۲۰۰۶۔

سیوطی، امام جلال الدین/محلی امام جلال الدین، جلالین (اردو: مولانا محمد جمال بلند شہری/ جمالین فی شرح جلالین) زمزم پبلشرز کراچی ۲۰۱۱۔

پانی پتی، امام قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی، تفسیر مظھری دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۹۔

آلوسی، امام محمود روح المعانی داراحیاء التراث العربی بیروت۔

تھانوی، مولانا اشرف علی بیان القرآن ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۲۶ھ۔

عثمانی، مولانا شبیر احمد تفسیر عثمانی دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۷۔

یوسف علی، عبداللہ دی نوبل قرآن انٹرنیٹ ایڈیشن۔

کاندھلوی، مولانا محمد ادریس معارف القرآن مکتبہ المعارف شہداد پور سندھ پاکستان ۱۴۲۲ھ۔

شفیع، مولانا مفتی محمد معارف القرآن ادارۃ المعارف کراچی ۲۰۰۵۔

طبری، امام ابن جریر تاریخ الامم والملوک (تاریخ طبری اردو) دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۳۔

ابن خلدون، تاریخ العبر نفیس اکیڈمی کراچی ۲۰۰۳۔

ابن ابی الدنیا، العقوبات (اردو: عذاب الٰہی اور اس کے اسباب) بیت العلوم لاہور۔

حموی، یاقوت معجم البلدان دار صادر، بیروت ۱۹۷۷۔

ابن کثیر، ابوالفدا البدایہ والنہایہ (تاریخ/ اردو) دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۸۔

ندوی، مولانا سید سلیمان، تاریخ ارض القرآن، دارالمصنّفین اعظم گڑھ ۱۹۵۵۔

غازی، مولانا حامد الانصاری، اسلام کا نظام حکومت، ندوۃ المصنّفین دہلی ۱۹۴۳۔

سیوہاروی، مولانا حفظ الرحمٰن، قصص القرآن، دارالاشاعت کراچی ۱۹۷۲۔

Erich von Däniken, *Chariots of the Gods*. 1999 Berkley Books New York.

Nicholas Clapp, *The Road to Ubar*. 2000 Souvenir Press London.

تفسیر الجیلانی تعارف و جائزہ

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

صوفیہ کا گروہ اسلام کی علمی ،فکری اور تہذیبی تحریک کا ہراول دستہ ہے۔مسلم معاشرہ کی علمی تحریکیں اور سماجی رویہ کی تشکیل دینے میں اس طائفہ نے کلیدی کردار ادا کیا ہے،علم و دانش کی ترویج ، ان لوگوں نے فریضہ سمجھ کر انتہائی دیانت داری سے کی ہے ۔تو دوسری طرف ان کی خانقاہیں اور زاویے تہذیبی قدروں کے تحفظ میں مصروف نظر آتے ہیں ۔یہی وجہ ہے کہ علما کی مجلسیں ہوں یا عوام الناس کی محفلیں ،صوفیہ کے وجود کے بغیر نامکمل اور ادھوری ہیں ۔ بزم صوفیہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی (۱) کوکب درخشاں کی حیثیت رکھتے ہیں ۔انحرافی رویوں اور بدعات کے عروج کے زمانے میں انہوں نے مسلم معاشرہ کے سماجی وسیاسی نظام کی اصلاح کے لیے تجدیدی خدمات انجام دیں ۔کثیرالجہتی خدمات کا ایک پہلو تصنیف و تالیف اور درس و تدریس ہے تو دوسرا پہلو انقلاب آفریں شخصیات کی تیاری ہے۔(۲)

شیخ کی علمی صلاحیتوں کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ بیک وقت تیرہ علوم و فنون پر کلام فرماتے تھے۔شیخ کی علمی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے محمد بن یحییٰ لکھتے ہیں :

وتصدر بھا للتدریس والفتوی	(تحصیل علم کے بعد) آپ مسند درس وتدریس
والوعظ مع الاجتھاد فی العلم	افتاء اور وعظ پر رونق افروز ہوئے اور اس کے
والعمل وقصد بالزیارات والنذور	ساتھ وعظ ونصیحت اور علم وعمل کی نشر واشاعت
من جمیع الاقطار والبلاد واجتمع	میں مصروف ہوگئے،لوگ نذر وزیارات کے لیے

چیرمین شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی ،فیصل آباد۔

عـنده بها من الـعـلـماء و الصلحاء جـماعة من الآفـاق فـحـملوا عنه وسـمـعـوا عـنه وانتهت اليه تربية الـمـريـدين بـالـعراق واختلفت الالسـن ببـدائـع او صـافـه فمن واصف لـه ذو البيـانين ومن ناعت لـه بـكـريم الجدين ...... ولذلک انتهى اليه جمع من العلماء وتلمذ له خلق كثير لا يحصون۔(۳)

تمام علاقوں اور شہروں سے ٹوٹ پڑے، چنانچہ دنیا بھر سے ان کے پاس علماء اور صلحاء کی ایک کثیر جماعت اکٹھی ہوگئی، جنھوں نے ان سے علم حاصل کیا اور فیض اٹھایا۔ اس وقت عراق بھر میں تربیت مسترشدین کے سلسلے میں کوئی ان کا ہمسر نہ تھا۔ ان کے گوناگوں اوصاف اور کمالات کی وجہ سے لوگوں نے مختلف تعظیمی القاب مقرر کرلیے، کوئی ذوالبیانین کے نام سے پکارتا تو کوئی نجیب الطرفین کہہ کر۔ انہی خوبیوں کی بنا پر علماء کی ایک بڑی جماعت نے ان سے اپنی نسبت قائم کی۔ ان سے تلمذ اختیار کرنے والے لوگوں کا تو کوئی حساب وشمار نہیں۔

شیخ موفق الدین بن قدامہ لکھتے ہیں:

دخـلنا بغداد سنة احدى و ستين و خـمس مأة فاذا الشيخ عبد القادر مما انتهت اليه الرياسة بها علما و عـملا و حالا واستفتاء كان يكفى طـالـب الـعـلم عن قصد غيره من كـثرة مـا اجتمـع فيـه مـن الـعلـوم الصبر على المشتغلين۔(۴)

ہم بغداد میں ۵۶۱ھ میں پہنچے اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اس وقت ان کو علم وعمل، حال اور فتویٰ نویسی کی اقلیم کی حکمرانی حاصل تھی۔ ان کی ذات میں جو بے شمار علوم ودیعت کیے گئے تھے اور علم حاصل کرنے والوں پر وہ جو شفقت فرماتے تھے اس کی بنا پر کسی طالب علم کا ان کو چھوڑ کر دوسری طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

شیخ کے مدرسہ میں ۶۰۰ طالب علم مقیم تھے، جن کو وہ مختلف علوم وفنون کا درس دیتے تھے (۵)۔ ان علوم وفنون میں علم التفسیر ان کی خصوصی دلچسپی کا میدان تھا۔ قرآن کریم کی تلاوت کا

شغف اور کتاب حکمت سے معارف کا استنباط شیخ کی حیات علمی کا خصوصی امتیاز تھا۔ حضرت کی تصانیف کا مطالعہ کریں تو بعض اوقات ایسے نفیس و نایاب تفسیری مباحث مل جاتے ہیں جو عام مفسرین کی نظروں سے اوجھل تھے۔ شیخ کے مکاتیب پر نظر ڈالیں تو ہر سطر میں اپنے مدعا کے اثبات کے لیے آیت قرآنی کو نگینے کی طرح جملہ میں پیوست کیا ہے۔ پہلا ہی جو تقریباً ڈیڑھ صفحہ کا ہے اس میں ۲۲ آیات کے اشارے ہیں۔(۶)

شیخ کا تفسیری ذوق حافظ ابوالعباس احمد بن احمد بغدادی کے ان الفاظ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔

"ایک دفعہ میں اور علامہ ابن جوزی کے صاحبزادے شیخ ابو یوسف جمال الدین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ قاری نے قرآن مجید کی ایک آیت پڑھی۔ حضرت شیخ نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ میں نے شیخ جمال الدین سے پوچھا تمہیں اس تفسیر کا علم ہے؟ انہوں نے کہاں ہاں! اسی طرح حضرت والا نے اسی ایک آیت کی گیارہ الگ الگ تفسیری توجیہات بیان فرمائیں۔ میں ہر دفعہ شیخ جمال الدین سے پوچھتا کہ تمہیں اس توجیہ کا علم ہے؟ وہ ہر بار ہاں کہہ کر جواب دیتے۔ حضرت شیخ نے گیارہ کے بعد ایک اور توجیہ بیان فرمائی۔ میں نے پوچھا یہ توجیہ بھی آپ کو معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! اسی طرح حضرت شیخ نے پوری چالیس توجیہات بیان فرمائیں اور ہر توجیہ کے قائل کا نام لیا۔ شیخ جمال ہر دفعہ کہتے ہیں اس کا علم نہیں رکھتا۔ وہ حضرت شیخ کا علمی تبحر اور استحضار دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ اتنے میں حضرت شیخ نے فرمایا اب ہم قال چھوڑ کر حال کی طرف آتے ہیں۔ پھر فرمایا، لاالٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کلمۂ شریف کا زبان سے نکلنا تھا کہ لوگوں میں وجد و اضطراب پیدا ہوا اور شیخ جمال الدین نے بھی اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔(۷)

قرآن فہمی کے لیے شیخ کا سب سے نمایاں کارنامہ ان کی تفسیر ہے جو حال ہی میں ترکی سے چھ جلدوں میں مرکز الجیلانی للبحوث العلمیۃ استنبول سے شائع ہوئی ہے (۸)۔ محقق ڈاکٹر محمد فاضل جیلانی، حضرت شیخ کی اولاد سے ہیں اور ترکی میں مقیم ہیں۔ ۱۹۷۷ء سے وہ شیخ جیلانی کی کتب پر تحقیقات کا کام کر رہے ہیں۔ شیخ کی کتب کی تلاش میں انہوں نے بیس سے زائد ممالک کے سفر کیے اور بے شمار کتب خانے دیکھے۔ وہ کہتے ہیں کہ شیخ کی کتب میں چودہ عناوین پر کتابیں

غائب ہیں۔انھوں نے دستیاب کتب ورسائل کی تعداد ۱۷/اور ۶/ بتائی ہے اور لکھا ہے کہ مفقود کتب اوراس تفسیر کے علاوہ شیخ کی دوسری معلوم کتابوں کے اوراق کی تعداد ۲۵۷۹ ہے۔(۹)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور کے مقالہ نگار عبدالنبی کوکب نے بھی شیخ کی تفسیر کا ذکر بایں الفاظ کیا۔''رشید رضا نے اپنے مضمون میں بتایا ہے کہ مفتی طرابلس (شام) کے کتاب خانے میں قرآن مجید کی ایک عمدہ تفسیر کا قلمی نسخہ موجود ہے۔کہا جاتا ہے کہ یہ تفسیر بھی شیخ کی تالیف ہے۔(۱۰)

ڈاکٹر محمد فاضل جیلانی نے تین خطی نسخوں سے اس تفسیر کو مرتب کیا، جن کو ا، ب، ج کہا، البتہ اعتماد نسخہ ا پر کیا (۱۱)۔محقق نے یہ بھی خبر دی کہ اس تفسیر کا ایک نسخہ بغداد میں تھا، جو شیخ کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔ بعدازاں وہ نسخہ شام میں کسی کے پاس تھا مگر وہاں اس کا سراغ نہ ملا (۱۲)۔محقق یہ بھی انکشاف کرتے ہیں کہ ۶۲۲ھ کا لکھا ہوا ایک ناقص نسخہ ہندوستان میں بھی موجود ہے مگر اس سے استفادہ نہ کیا جاسکا (۱۳)۔فاضل محقق نے اس تفسیر کو تفسیر الجیلانی کا نام دیا، مگر وہ کہتے ہیں کہ ہم اسے شیخ کی تفسیر نہیں بلکہ تالیف کہتے ہیں۔ان کے بقول شیخ نے اس تفسیر کا نام ''الفواتح الالٰھیة والمفاتح الغیبیة الموضحة للکلم القرآنیة والحکم الفرقانیة'' رکھا (۱۴)۔وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اسے تفسیر سے اس لیے تعبیر نہیں کیا کہ یہ بساط علم وفہم کے مطابق لکھی گئی تفسیر نہیں بلکہ یہ ایسے الہامات واشارات پر مبنی تحریر ہے جو روح کو زندہ کرتے ہیں، علاوہ ازیں یہ طالب کو شیخ سے مربوط کرتے ہیں (۱۵)۔یہ قرآنی اشارات ہر آدمی کو اس کے مجاہدات کے مطابق میسر آتے ہیں۔

اس کا ایک اور نسخہ ۲۰۰۹ء میں دارالکتب العلمیة بیروت سے ۵ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔اس نسخہ کی تحقیق وتخریج الشیخ احمد فرید المزیدی نے کی ہے۔آغاز میں محقق نے حضرت شیخ کے احوال وتعلیمات اور مصنفات پر تفصیلی مقدمہ لکھا ہے، احمد فرید نے بعض مقامات پر حواشی بھی تحریر کیے (جلد اول، ص ۵۳-۶۶، ۶۸، ۷۱، ۷۴، ۷۴)۔انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہ اس تفسیر پر کام کررہے تھے کہ اس کا ایک دوسرا نسخہ طبع ہوگیا اس سے بھی تحقیق میں مدد لی۔

منہج واسلوب: اس تفسیر کے منہج واسلوب کو درج ذیل نکات سے سمجھا جاسکتا ہے:

(الف) عربی ادب کا خوبصورت نمونہ: حضرت شیخ کی یہ تفسیر عربی ادبیت کے اعلیٰ ذوق کی حامل ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملوں میں مطالب کو انتہائی بلاغت سے سمو دیا ہے، ادبیت کا یہ ذوق ملاحظہ فرمائیں:

لا یخفی علی المشمرین أذیال	ان پر مخفی نہ رہے جو کمال شوق سے (پوری
همهم للتوجه الی کعبة الذات ،	طرح) کعبہ ذات (حق تعالیٰ) کی طرف توجہ
والوقوف عند عرفات الأسماء و	کے لیے تیار ہیں اور اس کے اسماء وصفات کے
الصفات ، والطواف حول جمیع	عرفات کے پاس وقوف کے لیے اور تمام ارکان
الأرکان والمقامات الجامعة	اور ان تمام مقامات کے گرد جو جمیع ابعاد و جہات
لجمیع الأبعاد والجهات : أن الحج	کے جامع ہیں، طواف کے لیے تیار ہیں۔ کہ
الحقیقی والطواف المعنوی	حج حقیقی اور اصلی معنوی طواف صرف وہی ہے
الأصلی انما هو بالانخلاع عن	جو صور جسمانی کے لوازمات سے نکل کر اور ان
لوازم الصور الجسمانیة و	ہیکلوں کے مقتضیات سے آزاد ہو کر کیا جائے
مقتضیات الهیاکل الهیولانیة	اور یہ موت ارادی اور فنائے اختیاری سے ممکن
بالموت الارادی والفناء	ہے ذات حق کی طرف شوق مفرط کی برکت سے
الاختیاری المنبعث عن الشوق	حاصل ہوتی ہے اور تعدد و کثرت کی طرف لے
المفرط نحو الحق ، المنزه عن	جانے والے (خیالات کے) ہجوم سے منزہ
تراکم الاضافات المؤدیة الی	کر دیتی ہے۔
التعدد والکثرات ۔(۱۶)	

(ب) مطالب ومعانی کی کثرت: اس تفسیر میں کہیں کہیں ایک لفظ یا ایک آیت کا مفہوم اس کے سیاق وسباق کے مطابق تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جیسے بسم اللہ کے ۱۱۲ مختلف مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ آخری پارے کی چند سورتوں میں اسلوب ملاحظہ ہو:

۱- (بسمِ اللّٰهِ) المظهر لطریق الحق	(بسم اللہ) اللہ کے نام سے جو طریق حق کو ارسال
بارسال الرسل وانزال الآیات	رسل اور انزال آیات کے ذریعے آشکار کرنے

(الرحمن) لعموم عباده بایضاح البینات (الرحیم) لخواصهم بایصالهم الی اعلی المقامات وارفع الدرجات۔(۱۷)

والا ہے (الرحمٰن) اپنی رحمت سے تمام بندوں کو حق کی نشانیاں واضح کرنے والا (الرحیم) اور خصوصی رحمت سے بندوں میں سے خاص بندوں کو اعلیٰ مقامات اور بلند ترین درجات عطا فرمانے والا۔

۲- (بسم اللّٰه) المدبر لامور الانسان حتی اوصله الی مرتبة الیقین والعرفان (الرحمن) علیه بخلقه علی صورته لیلیق بخلاف (الرحیم) له یربیه ویهدیه الی حیث یوصله الی بحر وحدته ۔(۱۸)

(بسم اللہ) اللہ کے نام سے جو انسان کے تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے یہاں تک کہ اسے مرتبہ یقین وعرفان تک پہنچائے (الرحمٰن) جس نے اپنی رحمت بے پایاں سے اسے اپنی صورت پر خلق فرمایا تاکہ وہ اس کی خلافت کے لائق ہو (الرحیم) جو اپنی رحمت سے اس کی تربیت کرتا ہے اور اس عمل کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو اسے وحدت کے سمندر تک پہنچانے والا ہے۔

۳- (بسم اللـه) الذی خلق الانسان علی صورته لیتخلق باخلاقه (الرحمن) علیه حیث اظهره من کتم العدم ورباه بانواع اللطف والکرم (الرحیم) علیه یهدیه الی صراط مستقیم موصل الی توحیده۔(۱۹)

(بسم اللہ) کے نام سے جس نے انسان کو اپنی صورت پر خلق فرمایا تاکہ وہ اخلاق الٰہیہ سے متخلق ہو (الرحمٰن) اور اپنی رحمت سے اسے عدم سے وجود میں لایا اور اس کی تربیت اپنے لطف و کرم کی اقسام سے کی (الرحیم) اور اپنی رحمت فرما کر اسے صراط مستقیم کی ہدایت فرمائی جو اسے توحید باری تعالیٰ تک پہنچاتا ہے۔

(ج) حروف مقطعات کی وضاحت: شیخ نے حروف مقطعات کو اللہ اور رسول ؐ کے درمیان ایک راز قرار دینے کے بجائے ہر جگہ ان کے مطالب بیان کیے ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

(الٓمٓ) ایها الانسان الکامل اللائق لخلافتنا الملازم لاستکشاف

الٓمٓ اے انسان کامل ہماری خلافت (نمایندگی) کے لائق، ہماری ربوبیت کے رازوں کو کشف

اسرار ربوبيتنا كيفية بركات هويتنا الذاتية السارية على صفائح المكونات ۔(۲۰)	کرنے پر مامور، ہماری ہویت ذاتیہ جوکہ تمام کائنات پر پھیلی ہوئی ہے کی، برکات کی کیفیت کے ادراک کے لائق۔
(نٓ) ايها النبى التائب عن الحق، الناظر بنور اللّٰه، النقى عن جميع الرذائل والآثام المنافية لمرتبة النبوة والولاية ۔(۲۱)	ن ......اے نبی جو ذات حق کا نائب ہے اور اللہ کے نور سے ناظر ہے مرتبہ نبوت وولایت کے منافی تمام رذائل وآثام سے نقی (پاک) ہے۔

(د) مطالب ومعانی میں اختصار وجامعیت: تفسیر جیلانی میں معانی ومطالب کی وضاحت کے لیے تفصیلی قصے، فقہی استنباط اور دیگر تفصیلات ہیں۔ اکثر مقامات پر جلالین کی طرح صرف ایک لفظ سے تفسیر بیان کردی گئی ہے اور بعض مقامات پر ایک دوسطروں میں تشریح ہے

(ان المصّدقين) اى المتصدقين (والمصّدقت) اى المتصدقات (و) هم الذين (اقرضوا اللّٰه قرضا حسنا) خالصا عن شوب المن والاذى طالبا لمرضاته سبحانه (يضٰعف لهم) صدقاتهم فى النشاة الاولى (ولهم اجر كريم) فى النشاة الاخرى ۔(۲۲)	یقیناً مصدقین یعنی صدقہ دینے والے اور مصدقات یعنی صدقہ دینے والیاں وہی ہیں جنھوں نے اللہ کو قرض حسنہ دیا یا من واذی کے شائبہ سے پاک ہوکر اس کی رضا کے خواستگار ہوئے تو ان کے لیے بڑھایا جائے گا اس دنیا میں ان کے صدقات کو اور آخرت میں ان کے لیے اجر کریم کا انعام ہے۔

(ہ) فاتحہ سورہ: ہر سورت کے آغاز میں فاتحۃ السورۃ کے نام سے ایک عبارت ہے جس میں سورت کے مضامین اور خصوصاً عقائد کو انتہائی وضاحت و بلاغت سے بیان کردیا ہے۔ سورۃ الکوثر کا ابتدائیہ ملاحظہ فرمائیں:

لا يخفى على من وصل الى بحر الحقيقة و ورد على الحوض	بحر حقیقت تک پہنچنے والے اور حوض مورود اور مقام محمود پر وارد ہونے والے پر مخفی نہیں اور وہ

المورود والمقام المحمود الذی هو الوجود الالهی المنبسط بمقتضی الجود الذاتی الی عموم الموجودات: ان الوصول الی هذا المطلب الاعلی والمقصد الاقصی الذی هو التوحید الذاتی المعبر بالحوض الکوثر، الذی هو عبارة عن کثرة الخیر و البرکة، ما تیسر والتقی جماهیر الانبیاء و الرسل للحضرة الختمیة الخاتمیة المحمدیة صلوات اللّٰه علیه و سلامه، لذالک ختم ببعثته امر الارسال والتشریع، ولهذا نبه سبحانه فی هذه السورة علی عظم شأنه وجلالة قدره ومکانه۔(۲۳)	(بحر حقیقت، حوض مورود اور مقام محمود) وہی وجود الٰہی ہے جو اپنے جود کرم (ذاتی) سے عموم موجودات کی طرف متجلی ہوا۔ کہ اس مقصد اعلیٰ و منتہی تک رسائی (اور وہ مقصد اعلی وہی توحید ذات الٰہی ہے جس کو حوض کوثر سے تعبیر کیا گیا جو کہ عبارت ہے کثرت خیر اور برکت سے) یہ تمام انبیاء ورسل میں صرف حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفیؐ کو میسر ہوئی ہے اسی لیے آپؐ کی بعثت پر ارسال رسل اور تشریع کا سلسلہ ختم ہوا اور اسی لیے اللہ سبحانہ نے اس سورہ میں آپؐ کی شان وجلالت اور قدر ومقام کی طرف متنبہ فرمایا۔

(و) خاتمہ سورۃ: ہر سورہ کے اختتام پر خاتمۃ السورۃ کا اہتمام کیا ہے جس میں اس سورہ میں موجود دروس وعبر کا ذکر ہے، سورۃ الکوثر کا ہی خاتمہ ملاحظہ فرمائیں:

علیک ایها المحمدی القاصد للورود الی الحوض والکوثر و الشرب منها: ان تتوجه فی عموم اوقاتک وحالاتک الی اللّٰه علی وجه التبتل والاخلاص، وتمیت بهیمة بدنک بالموت الارادی	اے محمدی، حوض اور کوثر تک پہنچنے کا ارادہ (خواہش) رکھنے والے اور اس میں سے پینے کی تمنا رکھنے والے تجھ پر لازم ہے کہ اپنے تمام اوقات وحالات میں اخلاص وتبتل کے ساتھ متوجہ الی اللہ رہے جسم کی حیوانیت کو موت ارادی سے مار دے اور حق کے راستے میں اسے قربان

وتهديها في طريق الحق تقربا اليه	کرکے ہدیہ پیش کرے اس حق سبحانہ کے تقرب
سبحانه، لتنال خير الدارين	کے لیے اور تاکہ تو دونوں جہانوں کی بھلائی پائے
وفلاح النشأتين۔(۲۴)	اور دونوں زندگیوں کی کامیابی حاصل کرے۔

اس تفسیر کو مجموعی طور پر تفسیر اشاری کی قسم قرار دے سکتے ہیں اور اسی نہج سے شیخ المزیدی نے اس پر کام کیا۔ واقعات کی جزئیات میں پڑے بغیر ایک الگ زاویہ سے قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے یہ ایک عمدہ تفسیر ہے، تاہم ابھی یہ تشنۂ تحقیق ہے کہ یہ واقعی شیخ کی تالیف ہے۔ شیخ المزیدی اگر مذبذب (۲۵) نظر آتے ہیں تو شیخ فاضل جیلانی کو یقین ہے کہ یہ شیخ کی تالیف ہی ہے، اس تفسیر پر مزید تحقیق، بہرحال کچھ نئی جہتوں سے آشنا کرے گی۔

حوالہ جات وحواشی

(۱) شیخ کی حیات وخدمات پر کئی زبانوں میں کتابیں ہیں۔ علاوہ ازیں مورخین نے ان کے احوال حیات کا تذکرہ کیا ہے، چند کتب درج ذیل ہیں:

قلائد الجواهر : شیخ محمد یحییٰ التاوفی۔ الذیل علی طبقات الحنابله (حصه اول): ابن رجب۔ المنتظم: ابن الجوزی ۔ بهجة الاسرار ومعدن الانوار: شیخ نورالدین بن یوسف شطنوفی۔ خلاصة المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: امام محمد عبداللّٰه یافعی ۔ الشیخ عبدالقادر الجیلانی الامام الزاهد القدوة: الدکتور عبدالرزاق الکیلانی۔ الموجز فی تاریخ القطب الغوث والباز الاشهب الشیخ عبدالقادر الکیلانی: الاستاذ فخری الکیلانی ۔ الشیخ عبدالقادر الکیلانی: یونس ابراهیم السامرائی۔ موسوعة اعلام العلماء والادباء العرب والمسلمین: جلد ۵۔ نهر القادرية: ڈاکٹر سید محمد فاضل جیلانی۔ الجنی الدانی فی ذکر نبذة من مناقب عبدالقادر الجیلانی: جعفر بن حسن البرزنجی۔ غبطة الناظر فی ترجمة الشیخ عبدالقادر: ابن حجر العسقلانی۔ نزهة الخاطر فی ترجمة الشیخ عبدالقادر: ملا علی القاری ۔ الروض الزاهر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: برهان ابراهیم بن علی الدیری ۔ مفاتیح المطالب ورقیة الطالب فی مناقب الشیخ عبدالقادر الکیلانی: الدیری ۔ النشر العاطر بمناقب الشیخ عبدالقادر: جمال الدین بن أحمد التونسی۔ تحذیر المنکر للقدرة المعاند الغادر المعترض علی کلام سیدی

الشیخ عبدالقادر: ابن الرسام الحموی الحنبلی ۔ الباھر فی مناقب الشیخ عبدالقادر قدس سرہ ابن: الأھدل الیمنی ۔ روض النواظر فی ترجمة الشیخ عبدالقادر الشیخ: محمد سعید بن ذریع القادری ۔ الصبح السافر عن شمائل الشیخ عبدالقادر: عبدالرحمٰن بن عیسی بن داود السنجاری ۔ ریاض البساتین فی مناقب الشیخ عبدالقادر: محمد أمین الکیلانی ۔ الدر الفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: عبدالرحمٰن بن السایح ۔ خلاصة المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: الیافعی ۔ درر الجواھر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: ابن الملقن ۔ مختصر بھجة الأسرار: الشیخ عبدالعزیز الدرینی ۔ الروض الزاھر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: الشھاب القسطلانی ۔ روضة الناظر فی درجة الشیخ عبدالقادر: المجد الفیروز آبادی ۔ نزھة الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: الاشبیلی ۔ نزھة الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: الشیخ أبی محمد عبداللطیف بن أحمد بن محمد بن ھبة اللّٰہ الھاشمی البغدادی ۔ تفریج الخاطر ترجمة الشیخ عبدالقادر: محي الدین الأربلی ۔ الشرف الباھر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: موسی بن محمد الیونینی البعلبکی ۔ جلاء الخاطر من کلام الشیخ عبدالقادر: ولدہ سیدی عبدالرزاق ۔ مناقب الشیخ عبدالقادر الکیلانی منظومة رائیة من البحر الوافر: المشینی ۔ أنوار الناظر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: ابی بکر عبداللّٰہ بن نصر بن حمزة البکری الصدیقی البغدادی ۔ أنھار المفاخر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: الشیخ غوث الدین محمد بن ناصر الدین محمد المدراسی الھندی ۔ نثر الجواھر فی مناقب الشیخ عبدالقادر: القاضی محمد بن صبغة اللّٰہ بدر الدولة المدراسی الھندی ۔ النشر العاطر بمولد الشیخ عبدالقادر: الشیخ جمال الدین التونسی المالکی ۔ السیف الربانی فی عنق المعترض علی الغوث الجیلانی: ابن عزوز المکی ۔ الطراز المذھب شرح قصیدة مدح الباز الأشھب: الآلوسی المفسر ۔ المورد السنی فی ترجمة سیدنا عبدالقادر الجیلانی الحسنی الحسینی: محمد صالح بن أحمد الخطیب القادری الحسنی ۔ الباز الأشھب عبدالقادر الکیلانی: ابراھیم الدروبی البغدادی ۔ الباز الأشھب فی حیاة الشیخ عبدالقادر الکیلانی: آرتین آصادور بیان ۔ الکواکب الدریة فی المناقب القادریة: محمد رشید الرافعی ۔ نفحة الریاض العالیة فی بیان طریقة القادریة: محمد رفعت بن عبداللّٰہ الرومی ۔ رسالة فی ذریة الجیلانین القاطنین بحماہ:

محمد سعدی ابن عمر الأزهری ۔ الشیخ عبدالقادر الجیلانی واعلام القادریة: محمد درنیقة ۔ زین المجالس فی مناقب الشیخ عبدالقادر الکیلانی، الشراب النیلی فی ولایة الجیلی: محمد بن ابراهیم الحلبی الشهیر بابن الحلبی ۔ یہ تفصیلات المزیدی کے مقدمہ سے ماخوذ ہیں۔(۲) اس حوالہ سے شیخ عبدالقادر جیلانی کی حیات کا مطالعہ کرنے کے لیے ڈاکٹر ماجد عرسان الکیلانی کی کتاب ہکذا ظہر جیل صلاح الدین وہکذا عادت القدس قابل مطالعہ ہے۔اس کتاب میں اس تاثر کو زائل کیا گیا ہے کہ صوفیہ معاشرتی مسائل سے کٹ کر زندگی گذارتے ہیں علاوہ ازیں صلیبی مجاہدوں میں تیاری میں حضرت شیخ کے کردار کو واضح کیا گیا ہے۔اس کتاب کا ترجمہ پروفیسر صاحبزادہ عبدالرسول نے کیا ہے اور اردو سائنس بورڈ لاہور نے ۲۰۰۴ء میں شائع کیا۔(۳) قلائد الجواہر، ص ۵۔(۴) ایضاً ص ۶۔(۵) شرافت نوشاہی، سید شریف احمد، شریف التواریخ، ادارہ معارف نوشاہیہ، گجرات، ۱۹۷۹ء، ج ۱، ص ۶۵۵۔(۶) جیلانی، شیخ عبدالقادر، مکتوبات، مترجم: قاضی محمد حمید فضلی، صفہ پبلی کیشنز لاہور، ص ۶۰-۶۱۔اس مجموعہ میں فارسی مکتوبات مع ترجمہ درج کیے گئے ہیں مکاتیب کی کل تعداد پندرہ ہے۔باقی ۱۴ مکتوبات میں جتنی آیات نقل ہوئیں وہ بالترتیب درج ذیل ہیں ۳۰، ۱۲، ۱۳، ۱۹، ۱۵، ۷، ۱۹، ۱۵، ۱۷، ۲۰، ۱۳، ۱۱، ۱۸، ۲۷۔غنیۃ الطالبین، فتوح الغیب اور سوانح عمری بہجۃ الاسرار سے شیخ کے تفسیری نکات کا انتخاب علامہ محمد اعظم سعیدی نے کیا، ۲۲۲ صفحات پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ فیضان القرآن کراچی سے ۱۴۲۸ھ میں شائع ہوئی۔(۷) قلائد الجواہر، ص ۳۸۔(۸) یہ تفسیر پہلی مرتبہ ۲۰۰۹ء/۱۴۳۰ھ میں اس مکتبہ سے شائع ہوئی۔اس مکتبہ کا موبائل نمبر ۰۰۹۰۵۳۳۴۸۶۶۱۰ اور ای میل ایڈریس یہ ہے algeylani@msn.com۔(۹) الجیلانی، شیخ عبدالقادر، تفسیر الجیلانی، تحقیق دکتور محمد فاضل الجیلانی، مرکز الجیلانی للبحوث العلمیۃ الطنبول، ۲۰۰۹ء، ج ۱، ص ۲۴۔(۱۰) کوکب، عبدالنبی، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، ج ۱۲، ص ۹۳۲۔(۱۱) تفسیر الجیلانی، ج ۱، ص ۲۵۔(۱۲) ایضاً ص ۲۶۔(۱۳) ایضاً ص ۲۵۔(۱۴) ایضاً، ص ۲۹۔(۱۵) ایضاً، ۲۸۔(۱۶) ایضاً، ج ۶ ص ۳۷۹۔(۱۷) ایضاً ص ۴۰۵۔(۱۸) ایضاً ص ۴۱۴۔(۱۹) ایضاً ص ۳۹۳۔(۲۰) ایضاً، ج ۱ ص ۴۴۔(۲۱) ایضاً، ج ۵، ص ۱۴۳۔(۲۲) ایضاً ص ۱۶۔(۲۳) ایضاً ص ۴۲۹۔(۲۴) ایضاً، ص ۴۴۱۔(۲۵) جیلانی، شیخ عبدالقادر جیلانی، تفسیر الجیلانی، دارالکتب العلمیۃ بیروت، ۲۰۰۹ء، ج ۱ ص ۴۔شیخ المزیدی نے لکھا ہے کہ اس نام کی تفسیر شیخ نعمت اللہ بن محمود النخجوانی سے بھی منسوب ہے۔(ص ۳)۔

نظامی مدارس کے بانی مشہور وزیر نظام الملک سلجوقی

پروفیسر ڈاکٹر علی اجقو
ترجمہ: مسعود الرحمٰن خاں ندوی

تمہید: اس مقالہ میں ہم اسلامی تاریخ کے ایک نمایاں سیاسی و علمی چہرہ یعنی سلجوقی وزیر نظام الملک الطوسی پر روشنی ڈالیں گے جس کا اسلامی مشرق کے اسٹیج پر بڑی طاقت کے طور پر سلجوقیوں کے ابھرنے میں بنیادی حصہ تھا، اس نے صرف سیاسی حالات کی تبدیلی ہی پر اثر نہیں ڈالا بلکہ بہت اثر انگیز علمی انقلاب کے برپا کرنے میں اس کی تاسیس سے لے کر اس کی تصنیف تک بڑا فعال حصہ لیا۔

۴۶۳ھ/۱۰۷۰ء سلطان الپ ارسلان کے عہد میں معرکہ ملاذ کرد میں رومیوں کی شکست کے بعد سلجوقی سلطنت ایک موثر فعال فوجی طاقت کی حیثیت سے سامنے آئی اور اس کے بیٹے سلطان ملک شاہ کے عہد میں اس کا دائرہ بڑھ کر مشرق میں افغانستان سے لے کر مغرب میں ایشیائے کوچک اور جنوب میں شام تک پھیل گیا۔

سلطان الپ ارسلان کے زمانہ میں وزیر نظام الملک طوسی (جن کا نام قوام الدین ابوعلی الحسن بن علی بن اسحاق بن العباس الطوسی اور لقب خواجہ بزرک یعنی نظام الملک تھا) ظاہر ہوئے۔ وہ نوقان شہر میں ۴۰۸ھ میں پیدا ہوئے تھے، انہوں نے قرآن کریم حفظ کیا اور شافعی مسلک کے مطابق حدیث وفقہ پڑھی، علم حاصل کرنے کے لیے اصفہان، بغداد اور نیشاپور کا سفر کرکے غزنہ پہنچے، سلطان دیوان میں کام کیا، پھر اخلاص وانہماک سے وزیر ابوعلی بن شاذان کی خدمت میں

بسکرہ یونیورسٹی، باتنہ، الجزائر۔

مصروف ہوئے اور اس کی وفات کے بعد سلطان الپ ارسلان نے ان کو اپنا وزیر مقرر کیا اور جب سلطان نے وفات پائی تو نظام الملک اس کے بیٹے ملک شاہ کے حریفوں پر غالب آنے میں کامیاب ہوئے اور سلطنت میں اپنے قدم جما لیے اور بحیثیت وزیر امور سلطنت، تعمیر مدارس، اشاعت علم اور اہل علم کی خدمت میں بیس برس گزارے۔

وزارت کے دوران نظام الملک نے علمی تحریک کی تجدید و ترقی میں بڑی محنت کی، بغداد، بصرہ، موصل وغیرہ مقامات پر نظامی مدارس کی بنیاد رکھی جن میں بغداد کا نظامی مدرسہ اول شمار ہوتا تھا، ان مدارس کا اسلام کی عقلی زندگی اور تعلیمی تنظیم پر بڑا اثر ہوا، جس نے ایک ایسے تعلیمی و تربیتی نظام کی بنیاد رکھی جو تخصص (Specialization) اور علما و طلبہ کے لیے علم اور علمی تحصیل کے لیے مناسب ماحول کی فراہمی پر قائم تھا۔ تعلیم و تربیت اور اس کے امور میں سلطنت کی نگرانی کے دائرہ میں نظامی مدارس کا تجربہ اپنی نوعیت کا اولین کامیاب تجربہ تھا، اس لیے کہ وزیر نظام الملک کو خود ذاتی طور پر اس کی بڑی فکر تھی کہ یہ مدارس وہ کام پورا کریں جن کے لیے ان کی تعمیر ہوئی ہے، ان میں سے ایک اہم کام بڑھتے شیعی مذہب کے اثر و رسوخ کو روکنا تھا۔ مذکورہ بالا تمہید سے یہ سوالات اٹھتے ہیں:

وزیر نظام الملک کون تھا؟ نظامی مدارس کے تجربہ کی حقیقت کیا تھی؟ نظامی مدارس کے تجربہ کی قدر و قیمت کیسے لگائی جائے؟ وزیر نظام الملک کے علمی و ثقافتی کارنامے کیا ہیں؟

اول، وزیر نظام الملک کی ذاتی شہرت: امور سلطنت کے انجام دینے میں سلطان ملک شاہ کی کامیابی اس کے وزیر نظام الملک سے جڑی ہوئی ہے جس نے سلجوقی سلطنت کی طاقت کے اضافہ، اس کے دائرہ اثر و رسوخ کی توسیع اور اس کی ثقافتی تحریک کی ترقی میں بڑا اہم حصہ لیا، جس کی علما و مورخین تائید کرتے ہیں اور اسی سے سلجوقیوں کو مسلمانوں کی طرف سے عزت و احترام ملا تھا، اب سوال یہ ہے کہ نظام الملک کون تھے؟

۱- ولادت و نشو و نما: نظام الملک کی ولادت ایک چھوٹے سے شہر نوقان میں ۲۱/ ذی قعدہ ۴۰۸ھ/ اپریل ۱۰۱۸ء کو ہوئی، ان کے والد دھقان تھے اور ان کی والدہ ماجدہ زمرد خاتون آل حمید الدین خاندان سے تھیں۔ جس میں سے بیشتر لوگ وزیر ہوئے تھے(۱)۔ ان کی شیر خوارگی ہی

میں وہ وفات پاگئیں، ان کے والد نے ان کو مرضعات کے حوالے کر دیا، اس طرح وہ بڑے ہوئے (۲)۔ تعلیم شروع ہوئی تو انہوں نے گیارہ برس کی عمر میں قرآن شریف حفظ کر لیا، پھر شافعی مذہب کے مطابق فقہ سے واقفیت حاصل کی، حدیث کا سماع اصفہان میں محمد بن علی بن مہریز داد یب اور ابومنصور شجاع بن علی بن شجاع سے، نیشاپور میں ابوالقاسم قشیری سے، بغداد میں ابوالخطاب بن البطر سے کیا۔ ایک رصافۃ بغداد کی جامع المہدی اور مدرسۃ المہدی کی مجالس املا میں شریک ہوئے، اس کے علاوہ انہوں نے امور حکومت و سلطنت کے آداب کا مطالعہ بھی کیا۔

پھر اپنے والد کی اجازت سے وہ خراسان گئے وہاں سے غزنہ پہنچے اور ابوعلی بن شاذان (وزیر سلطان الپ ارسلان) سے وابستہ ہوئے۔ ابن شاذان ان کی عفت، امانت اور تقوی کو پسند کرتے تھے، اس لیے انہوں نے وفات کے وقت سلطان سے ان کی سفارش کی۔ اس وجہ سے سلطان نے بھی ان کو اپنے قریب رکھا اور ابن شاذان کی جگہ پر ان کو وزیر بنایا، نظام الملک نے حاکم خراسان داؤد بن میکال (طغرل بک کے بھائی) سے بھی تعلق قائم کیا، وہ بھی ان کی صلاحیت واخلاص سے متاثر ہوئے انہوں نے ان کو اپنے بیٹے الپ ارسلان کے رفقائے کار میں شامل کر کے ان سے کہا ''نظام الملک کو اپنا بیٹا بنالو اور اس کے مشورہ کے خلاف کوئی کام نہ کرو''۔

ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ نظام الملک کے تعلیمی زمانہ کے دو ساتھی تھے: ۱-حسن بن صباح۔ ۲-عمر خیام، تینوں دوستوں نے یہ قسم کھائی کہ اپنی زندگی میں کامیابی اور بلند منصب حاصل کرنے کی صورت میں وہ ایک دوسرے کی مدد کریں گے، ان میں سب سے پہلے نظام الملک کو کامرانی ملی جب وہ وزیر کے عہدہ پر فائز ہوئے، چونکہ وہ اپنی قسم نہیں بھولے تھے اس لیے انہوں نے شاعر عمر خیام کی مستقل تنخواہ مقرر کر دی، جبکہ حسن بن صباح کو سلطنت میں ایک اہم عہدہ عطا فرمایا لیکن توقع کے خلاف حسن نے نظام الملک سے مقابلہ آرائی شروع کر دی، جس کی وجہ سے نظام الملک نے اس کو معزول کر دیا، اس وقت ابن صباح نے نظام الملک سے انتقام لینے کی قسم کھائی (۳) اور اس طرح دونوں کے درمیان کشاکش کا سلسلہ شروع ہوا، جو نہاوند میں ابن صباح کے ایک مرید کے ہاتھوں نظام الملک کے قتل پر ختم ہوا۔

۲-وزارت: جب طغرل بک کی وفات ہوئی تو ان کے وزیر عمید الملک کندری نے

سلیمان بن داؤد بن سلطان کے بھتیجے اور ولی عہد کو تخت سلطنت پر بٹھایا، وہ اس وقت چار برس کا تھا۔ عوام کو یہ بات پسند نہ آئی اور وہ الپ ارسلان کے ارد گرد جمع ہوگئے، جو نوجوان قائد و ماہر سیاست داں تھا، جب وہ نظام الملک کے ساتھ ذوالحجہ ۴۵۵ھ/دسمبر ۱۰۶۳ء کو سلطنت کے پایہ تخت رے میں داخل ہوا تو کندری نے اس کا استقبال کیا اور حصول سلطنت کی مبارک باد دی۔ (۴)

الپ ارسلان نے کندری کو وزارت پر برقرار رکھا لیکن یہ وزارت زیادہ دن نہیں چلی، سلطان اس سے برگشتہ ہوا (۵)، اس میں نظام الملک کا ہاتھ بھی تھا وہ سلطان کو کندری کی معزولی پر اکسا رہے تھے، آخرکار محرم ۴۵۶ھ/جنوری ۱۰۶۴ء کو سلطان نے اس کو معزول کر کے قید کر دیا، تقریباً ایک برس بعد اس کو قتل کر دیا گیا (۶)۔ روایت ہے کہ کندری نے قتل کے وقت اپنے جلّاد سے کہا تھا "نظام الملک سے کہنا کہ تم نے بہت برا کیا! تم نے ترکوں کو وزراء اور حکومت کے ذمہ داروں کو قتل کرنا سکھا دیا!! جس نے گڈھا کھودا وہی اس میں گرے گا اور جس نے برا طریقہ قائم کیا اس پر قیامت تک اس کا اور جو بھی اس پر عمل کرے سب کا گناہ ہوگا"۔ (۷)

کندری کی معزولی کے بعد نظام الملک نے وزارت سنبھالی، وہ صرف صاحب تدبیر وزیر ہی نہیں بلکہ علم و ادب کے سرپرست تھے، ان کی مجلس علماء، فقہاء اور ادباء سے آباد رہتی تھی، وہ الپ ارسلان کے ساتھ ساڑھے نو برس تک ایک وزیر اور مددگار کی حیثیت سے کام کرتے رہے، ان کے عہد میں مملکت کی ترقی ہوئی، اس کے ستون مضبوط ہوئے، سرحدوں میں توسیع ہوئی اور رومی بازنطینیوں پر فتح حاصل ہوئی۔

۳- نظام الملک وزیر: الپ ارسلان کی وفات کے بعد نظام الملک کی طاقت اور بڑھی ان کی تائید سے فرزند طغرل ملک شاہ نے سلطنت سنبھالی، وزارت بدستور نظام الملک کے پاس رکھی۔

اس وقت نئے سلطان کی عمر بیس برس تھی، جبکہ اس کا پچپن سالہ وزیر پختہ و تجربہ کار سیاست داں تھا۔ اسی لیے نیا سلطان اس کی عزت و احترام کرتا تھا۔ عظمت سے اس کو عم (چچا) کہہ کر پکارتا تھا اور کہتا تھا کہ "چھوٹے بڑے تمام امور میں نے آپ کے حوالہ کیے ہیں، اس لیے کہ آپ ہی والد (کی جگہ) ہیں" (۸)۔ سلطان اور وزیر کے درمیان اس مضبوط تعلق نے سلطنت کو ترقی کی راہ پر اس طرح گامزن کیا کہ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن گئی۔

۴-نظام الملک اور سیاسی منظر نامہ: نظام الملک نے ایسے فکری نقوش بھی چھوڑے جو ان حکمت اور وسعت نظر کے گواہ ہیں جیسے ''سیاست نامہ''، جو فارسی میں لکھی گئی اور عربی اور دوسری زبانوں میں منتقل ہوئی (۹)، اس میں امور سلطنت اور اصول حکمرانی کا بیان ہے (۱۰)۔ اس کی پچاس فصلوں میں حکومت کے حالات، انتظام کے وسائل، اجتماعی طبقات، تصرفات کے قواعد اور زمانہ کے رسم ورواج اور روایات وآداب بڑی جامعیت سے آگئے ہیں۔ دراصل یہ سیاست وحکومت کے تجربات کا خلاصہ اور ایک عظیم سیاست داں اور باتدبیر وزیر کی ڈائری ہے جو امور مملکت میں حکمت ودانائی اور پند ونصائح کا بیش قیمت خزانہ بن گئی ہے۔

نظام الملک کا خیال ہے کہ ملکوں کی حکومت اور ان کی حفاظت صرف عدل مطلق پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی، سلطان ملک شاہ کی طاقت اور فوج و رعایا کی بھلائی یہ سب عدل و احسان سے متعلق ہیں، ان کا ماننا ہے ''ملک کفر کے ساتھ باقی رہ سکتا ہے، مگر ظلم کے ساتھ نہیں رہ سکتا''۔ وہ ملک شاہ سے کہتے ہیں ''حقیقت میں دنیا کے سلطان (اللہ ان کا ملک آباد رکھے) خوب جانتے ہیں کہ قیامت کے دن ان سے ان کے ماتحت مخلوقات کی جواب دہی ہوگی اور اگر وہ کسی دوسرے شخص پر ذمہ داری ڈالیں گے تو ان کی یہ بات نہیں سنی جائے گی، جب بات یہ ہے تو ملک (شاہ) پر واجب ہے کہ جواب دہی کی یہ ذمہ داری کسی پر نہ ڈالے اور مخلوقات کے امور سے غافل نہ ہو''۔ یہ بھی قول ہے ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک بادشاہوں کے گناہوں میں اس سے (ظلم) بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے اور ملوک پر اللہ کی نعمت کے حق کی معرفت صرف رعایا کی حفاظت، ان کے ساتھ انصاف اور ظالموں کے ہاتھوں کو روکنے میں ہے''۔

قابل توجہ بات یہ ہے کہ وزیر نظام الملک یہ نصیحتیں لکھ کر اس سلطان کو پیش کر رہا ہے جس کے وہ خود ماتحت ہے، اظہار حق کی یہ جرأت اسی طرح ممتاز ہے جس طرح نظام الملک کی انفرادی، امتیازی صفت ہے۔ وہ لکھتا ہے ''بادشاہ کو چاہیے کہ وہ امور مملکت میں اصحاب رائے و تجربہ سے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ نہ کرے، اس لیے کہ اگر وہ صحیح ہوگا تو اس کی رائے کی قوت ایک آدمی کی رائے کی قوت کے برابر ہوگی، لیکن اگر وہ دس تجربہ کار اشخاص سے مشورہ کرے گا تو اس کی رائے دس آدمیوں کی قوت کے برابر ہوگی، نیز مشورہ کا مطلب کمزوری یا خود پر عدم اعتماد

نہیں ہے، تمام مسلمان نبی ﷺ کی قوت رائے اور فراست کاملہ کے قائل ہیں، آپؐ کو آسمان، زمین، جنت و دوزخ، لوح وقلم اور عرش وکرسی کا مشاہدہ کرایا گیا، جبرئیلؑ آپؐ سے ہم کلام ہوئے، اس تمام فضل واحسان اور معجزات کے باوجود جو انسانی طاقت سے بالا ہیں، اللہ تعالیٰ آپؐ کو حکم دیتے ہیں:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران ۱۵۹) اور مسلمانوں سے مشورہ کیجیے۔

اس لیے بادشاہ پر بھی واجب ہے کہ اصحاب رائے سے مشورہ کرے، مختلف آراء کا موازنہ کرے، تبادلۂ خیال کرے، یہاں تک کہ سب سے بہتر رائے سامنے آئے۔ بادشاہ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اپنی رائے ہی کو ترجیح دینا حقیقت میں کمزوری ہے، طاقت نہیں۔ بلکہ غرور وتکبر کی بات ہے کہ آدمی محض خودرائے ہوجائے۔

۵- نظام الملک اور انتظام مملکت: جب ملک شاہ نے اقتدار سنبھالا تو تمام امور مملکت اور اختیارات نظام الملک کے حوالہ کردیے۔ نظام الملک کے مذہبی افکار ونظریات کی وجہ سے دین و سیاست کی ثنویت دور ہوگئی اور اسلام کی اشاعت میں حکومت اور سیاست ایک موثر قوت بن کر سامنے آئی۔ چنانچہ غزالی اور ماوردی کہتے ہیں ''دین کا اقتدار زائل ہوتا ہے تو اس کے احکام بدل جاتے اور نمایاں نشان (شعار) مٹ جاتے ہیں، بدعات پیدا ہوجاتی ہیں، یہ اس وقت ہوتا ہے جب سلطان ایسے مسلک پر نہ ہو جس سے دل ملیں، اہل طاعت اس کو فرض سمجھیں اور اس کی مدد کو فریضہ جانیں'' کہا گیا کہ ''دین بنیاد ہے اور سلطان محافظ ہیں اور جس کی بنیاد نہ ہو۔ اس کو تو شکست کھانا ہی ہے اور جس کا محافظ نہ ہو اس کو ضائع ہونا ہی ہے'' (۱۱)۔ حقیقت یہ ہے کہ نظام الملک کی مملکت کا تصور شافعی اشعری مسلک سے نکلا تھا، نظام الملک نے اشاعرہ کا اعتبار بحال کیا۔ (۱۲)

معاشرہ میں امن وامان قائم کرنے کی نظام الملک کو بڑی فکر تھی لیکن وہ یہ کام آزادیوں کا گلا گھونٹ کر نہیں بلکہ نظامی مدارس کا جال پھیلا کر کرنا چاہتے تھے، فوقیہ محمود نے لکھا ہے کہ: ان مدارس کی تشکیل اور ان پر فیاضی سے خرچ کرنے کا صرف یہ مقصد نہیں تھا کہ نظام الملک علوم دینیہ کی اشاعت چاہتے تھے، بلکہ وہ ملک کے مضطرب ومنتشر حالات کی بنیادی اصلاح چاہتے تھے، کیونکہ وہ سیاست داں ہی نہیں معاشرتی مصلح بھی تھے۔ (۱۳)

یہاں مورخ ذہبی کے الفاظ نقل کرنے کے لائق ہیں کہ: وزیر کبیر نظام الملک عقل مند، سیاست داں، تجربہ کار، مشاورت پسند، دین دار، باوقار تھے، علماء وفقہاء سے اپنی مجلس آباد رکھنے والے تھے، انہوں نے بغداد نیشاپور اور طوس میں مدارس قائم کیے۔ طلبہ پر انعامات (وظیفوں) کی بارش کی، حدیث املاء کرائی، شہرت نے ان کو سلطان الپ ارسلان اور ملک شاہ کا وزیر بنایا، انہوں نے حسن انتظام کی مثال قائم کی، ظلم وزیادتی سے رعایا کو نجات دلائی، عوام کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا، اوقاف بنائے، باکمال افراد کو جمع کیا اور ان کو اہمیت دی جو اخلاق، دین داری اور بہادری کے اوصاف رکھتے ہوں، اس سیاست کے بہتر اثرات ظاہر ہو کر رہے۔ (۱۴)

بے شک نظام الملک نے سیاسی، اقتصادی، تعلیمی، فوجی اصلاحات کے ساتھ جس ذہنی تحریک کی قیادت کی، اس سے فتنہ وفساد کے خاتمہ اور حالات کے استحکام میں بڑی مدد ملی، نظام حکومت کی ذاتی واقفیت و تجربہ کی بدولت مملکت کی اندرونی و بیرونی سیاست کی خود نگرانی کی (۱۵)۔ اور اپنے انتظامی منصوبوں کی تنفیذ میں باصلاحیت افراد سے مدد لی، ان کی ایک مشاورتی مجلس بنائی۔ (۱۶)

زراعتی اصلاح میں بھی نظام الملک کا حصہ کم اہم نہیں۔ نئی زراعتی پالیسی زمین کی قیمت مقرر کرنے اور اس کے محصول میں اضافہ پر مبنی تھی، زمین فوجی ذمہ داروں کے حوالے کی گئی تا کہ مالیات میں متعین رقم جمع کر کے اس کو اور منافع بخش بنایا جائے۔ زراعت اور پیداوار میں اضافہ ہو بصورت دیگر حق واپس لے لیا جائے۔ اس منصوبے سے اگر چہ زراعت کی اور پیداوار میں اضافہ لیکن کسی کے خیال میں بھی نہیں تھا کہ جلد ہی ان زمینوں کے مالک ان کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بدل کر مملکت سے علاحدگی کی کوشش کریں گے، یہی ہوا اور سلجوقی سلطنت کی وحدت کمزور ہو کر متعدد ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ (۱۷)

نظام الملک نے شہری تعمیرات کی بھی ہمت افزائی کی، مدارس ومساجد اور بہت سی عمدہ عمارتیں بنوائیں۔ (۱۸)

دوم، نظام الملک کا نظام تعلیم: سلجوقی حکومت کے نظامی مدارس کا شہرہ ہے تاہم یہاں بغداد کے مشہور ترین مدرسہ نظامیہ کا ذکر کیا جائے گا۔

بغداد کے نظامی مدرسہ کی تاسیس: نظام الملک کی تعلیمی پالیسی کی تنفیذ بغداد میں نظامی مدرسہ سے شروع ہوئی، جس کی تعمیر کی تکمیل ۴۵۹ھ/۱۰۶۶ء میں ہوئی اور اسی سال بڑے جشن کے دوران اسی میں تعلیم کا افتتاح ہوا تھا (۲۰)۔اس پر نظام الملک نے دولاکھ دینار خرچ کیے تھے اور اس کی مالیات فراہمی کے لیے بڑے اوقاف بنائے تھے۔عباسی خلیفہ کو اس کا اتنا اہتمام تھا کہ وہ اس کے اساتذہ خود متعین کرتا تھا۔

مقاصد: ابتدا سے مدرسہ نظامیہ کا مقصد سنی شافعی مذہب کی نشر واشاعت اور آل بویہ کے چھوڑے ہوئے شیعی افکار کے اثرات کا خاتمہ تھا، اس لیے وہاں دینی تعلیم سنی مذہب کے مطابق ہوتی تھی اور وقف کی دستاویز میں درج تھا کہ مدرسہ میں جو بھی تعلیم دے یا اس سے کسی حیثیت سے منسوب ہو اس کا اصلاً وفرعاً شافعی ہونا ضروری ہے (۲۱)۔اس طرح سلجوقی ایک طرف عباسی خلافت سے قربت حاصل کرتے تھے جس نے اپنی تقویت کے لیے ان پر اعتماد کیا تھا اور دوسری طرف شیعی اثرات کو کم کرنا چاہتے تھے لیکن صرف یہی مقصد نہ تھا۔

رعایا کی خدمت اور امن واستحکام کی رہنمائی بھی مطلوب تھی کہ لوگ عام طور پر اور مدرسہ سے نسبت رکھنے والے خاص طور پر اسلام کے صحیح اصول سمجھیں۔ہاں نظام الملک سنی شافعی تھے اس لیے یہ قرین فطرت ہے کہ فقہ وفکر میں شافعی اصول کو ترجیح دی گئی۔(۲۲)

ہوا بھی یہی کہ اس مدرسہ نے اعلیٰ درجہ کے سنی مدرسین اور مبلغین کو تیار کیا جنھوں نے سنی شافعی مذہب کی حفاظت اور نشر واشاعت میں حصہ لیا۔(۲۳)

مشہور علماء: بغداد کے نظامی مدرسہ میں وقت کے بڑے علماء وفقہاء نے تدریسی خدمات انجام دیں۔ان میں سے ہم چند کا ذکر کرتے ہیں:

ابوالمعالی الجوینی: یہ امام الحرمین کے لقب سے مشہور ہیں، وہ شافعی فقہ واصول فقہ اور ادب کے ممتاز عالم تھے۔انہوں نے نیشاپور میں تعلیم وتالیف کا کام کیا اور فقہ واصول فقہ میں متعدد تالیفات چھوڑیں، ان کو تصوف میں حافظ ابونعیم اصفہانی سے اجازت حاصل تھی۔حجاز سے واپسی پر جب انہوں نے نیشاپور میں قیام کیا تو وہاں کے مدرسہ نظامیہ میں تعلیم دی۔جوینی وہاں پڑھاتے رہے یہاں تک کہ علماء میں ان کی شہرت ہوگئی اور دور دور سے طلبہ ان کی خدمت میں

حاضر ہونے لگے۔امام جوینی کی زندگی کا یہ سب سے زیادہ نفع بخش دور تھا۔اس میں ان کی علمی پختگی بلندی پر پہنچی۔

ابوحامدالغزالی: علم کلام کے ماہر،فلسفی،صوفی،شافعی فقیہ،نیشاپور میں امام جوینی کی شاگردی اختیار کی۔انہوں نے نظام الملک سے ملاقات کی تو اس نے ان کا اعزاز واکرام کیا اور بغداد کے نظامی مدرسہ کے لیے منتخب کیا جہاں وہ ۴۸۴ھ سے ۴۸۸ھ تک پڑھاتے رہے۔ان کی مجلس درس میں سینکڑوں طالبین علم شریک ہوتے۔ان میں بڑی تعداد تہائی امراءاور وزراءزادوں کی ہوتی،ان کی شہرت اتنی ہوئی کہ علمائے زمانہ نے ان کو حجۃ الاسلام غزالی کے لقب سے یاد کیا۔وہ فن کلام اور مجادلہ کے ماہر تھے،دورعروج میں **مقاصد الفلاسفة ، تهافة الفلاسفة** اور **احياء علوم الدين** جیسی مشہور کتابیں تصنیف کیں۔

ابواسحاق شیرازی: یہ شیخ شافعیہ ابراہیم بن علی ہیں جو ایران کے شہر فیروزآباد میں ۳۹۳ھ کو پیدا ہوئے،وہیں تعلیم حاصل کی،پھر بصرہ منتقل ہوئے۔ ۴۱۵ھ میں بغداد گئے،جہاں ان کو اس زمانے کی شافعی مذہب کی صدارت حاصل ہوئی،مدرسہ نظامیہ بغداد میں چار برس مدرس کی حیثیت سے پڑھایا۔اس حیثیت سے وہ وہاں سب سے پہلے مقرر ہوئے تھے۔بغداد میں ان کی وفات ۴۷۶ھ میں ہوئی۔ان کی مشہور تالیفات: **المهذب فى الفقه ، التنبيه فى الفقه ، اللمع فى اصول الفقه ، طبقات الفقهاء** ہیں۔

ابوطاہر شیرازی: یہ مجدالدین بن محمد فیروزآبادی ہیں،جو مدرسہ نظامیہ میں شیخ مدرسہ کے معاون تھے۔وہ القاموس المحیط کے مولف ہیں،ان کی وفات ۸۱۷ھ/۱۴۱۴ء میں ہوئی۔

ان کے علاوہ ممتاز مدرسین کی بڑی تعداد ہے جیسے ابونصرالصبّاغ،ابوالقاسم الدبوسی،ابو سعید النیشاپوری،السہروردی،ابن البرہان،ابویعقوب الہمدانی،ابن الجوزی،ابوالحسن علی بن محمد الطبری،ابوبکر الشاشی،ابوزکریا الخطیب التبریزی،علی بن محمد الفصیحی وغیرہ اور معیدین میں محمد السلماسی،ابن رافع الاسدی معروف بابن شداد،ابوالحسن علی بن علی بن سعادۃ الفارقی وغیرہ۔

نظامی مدرسہ کے علماء کے امتیاز کے لیے ان کا لباس سیاہ اور نیلے رنگ کا ہوتا تھا(۲۴)، اس لباس کے پہننے والے کا عام لوگوں میں بہت احترام ہوتا تھا(۲۵)،اساتذہ کا تقرر تنخواہ پر ہوتا

تھا۔نظامی مدارس پہلے تعلیمی ادارے ہیں جہاں تدریس کے عوض تنخواہ ملتی تھی، ہر مدرس کے ساتھ ایک معاون مدرس ہوتا تھا۔ان کے علاوہ کلرکوں اور ملازموں کی بڑی تعداد تھی۔منتظم کتب خانہ کے علاوہ ایک مسجل (رجسٹرار) اور مدرسہ کی مسجد کا امام بھی ہوتا تھا۔

مدارس و علماء و فقہاء پر نظام الملک کے سالانہ اخراجات تین لاکھ دینار تک تھے۔اس معاملہ میں جب ملک شاہ نے نظام الملک سے گفتگو کی تو انہوں نے کہا ''اللہ تعالیٰ نے آپ کو اور مجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے وہ اپنی مخلوق میں کسی اور کو نہیں دیا ہے، اس لیے کیا ہم اس کے بدلہ میں اللہ کے دین کے حاملین اور اس کی کتاب کے حفاظ پر تین لاکھ خرچ نہ کریں''۔(۲۶)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ مدرسہ نظامیہ بغداد میں طلبہ کی تعداد محدود تھی۔ کیونکہ وہاں داخلہ صرف شافعی طلبہ پر موقوف تھا۔وہ مدرسہ مستنصریہ سے مختلف تھا جو ہر مسلک کے لیے کھلا تھا۔ مدرسہ نظامیہ سے فارغ التحصیل بعض علماء کو بڑی شہرت حاصل ہوئی جیسے ابن عساکر، العز ابن عبدالسلام، ابن رافع الاسدی، ابوعلی بن منصور الخطیبی المعروف بالاجل وغیرہ۔

تعلیمی نظام: مدت تعلیم چار برس تھی (۲۷)، جس میں طالب علم فقہ، اصول فقہ اور بعض معاون علوم پڑھتا تھا۔

ابن جبیر نے ۵۸۰ھ میں مدرسہ کا معائنہ کیا، لکھتے ہیں کہ ''ہم سب سے پہلے شیخ امام رضی الدین القزوینی کی مجلس میں حاضر ہوئے۔ مدرس ایک بلند جگہ پر طیلسان (سر اور کندھوں پر رومال) ڈالے بیٹھے تھے، طلبہ ان کے سامنے نصف دائرہ میں بیٹھے تھے''۔(۲۸)

تعلیم صرف مدرسہ میں نہیں ہوتی تھی بلکہ یہ ممتاز علماء کے حلقوں کے ذریعہ بھی تھی جہاں علمی مباحث برپا ہوتے۔اہل لغت اور نحویوں کے حلقے بھی تھے، کہا جاتا ہے کہ ابن الاعرابی کوفی کے حلقہ میں تقریباً ایک سو طلبہ شریک ہوتے تھے اور اکثر حاضرین کے درمیان بحث و مباحثہ کی نوبت آتی۔فقہاء، محدثین، مفسرین، نحویین، شعراء وغیرہ کے بھی حلقے تھے۔ان حلقوں میں شرکت کے لیے لکچر سننے اور بحث و مباحثہ کے آداب کی پابندی کے علاوہ کسی اور چیز کی شرط نہیں ہوتی تھی۔ اس تعلیمی انہماک کا اثر یہ تھا کہ النضر بن شمیل (شاگرد الخلیل بن احمد) جب خراسان جانے کے لیے بصرہ سے نکلے تو ان کو تقریباً تین ہزار محدثوں، اہل لغت، نحویوں، اخباریوں (مورخین) وغیرہ نے

رخصت کیا۔ جب بصرہ میں علماء کی اتنی بڑی تعداد تھی تو بغداد کا اندازہ لگانا دشوار نہیں۔

کتب خانہ: مدرسہ نظامیہ کے ساتھ ایک خاص عمارت کتب خانہ کی تھی۔ اس پر نظام الملک کی خاص توجہ تھی اس میں نوادر جمع کیے گئے اور جب ملک شاہ کے ساتھ اس کتب خانہ کی پہلی زیارت ۴۷۹ھ/۱۰۸۶ء میں کی تو خود بھی حدیث کی ایک کتاب لکھ کر جمع کی (۲۹)۔ خوش قسمتی سے یہ مدرسہ اور اس کا کتب خانہ ۶۵۶ھ/۱۲۵۸ء میں مغلوں کے ہاتھوں بغداد کی تباہی و بربادی میں بچ گیا۔ کتب خانہ میں دس ہزار سے زیادہ کتابیں تھیں (۳۰)، جن میں سے بیشتر فقہ، سنت (حدیث)، لغت، ادب اور علم کلام سے تعلق رکھتی تھیں۔

اس کتب خانہ کے منتظم (لائبریرین) خود صاحب مرتبہ علماء ہوتے جیسے ابو یوسف الاسفرائینی یعقوب بن سلیمان بن داؤد جو بزرگ فقیہ، ادیب، شاعر اور خطاط تھے۔ ان کی وفات کے بعد الابیوردی ابوظفر محمد بن احمد منتظم ہوئے جو کثیر التصانیف مشہور ادیب تھے، ان کی بڑی شخصیت تھی، وہ خراسان کے بادشاہ محمد بن ملک شاہ کے دربار میں پہنچے تو سلطنت کے اہم لوگوں میں شمار ہوئے۔ کتب خانہ کے مشہور منتظمین میں الخطیب التبریزی ابوزکریا یحییٰ بن علی بن محمد الشیبانی بھی تھے۔ کتب خانہ کے انتظام کے علاوہ وہ مدرسہ میں ادب و فلسفہ بھی پڑھاتے تھے۔ ان کی وفات ۵۰۲ھ/۱۱۰۹ء میں ہوئی اور وہ آخر وقت تک کتب خانہ کے منتظم رہے۔ اس مکتبہ کے آخری منتظم اکرم الدین ابوسہیل تھے۔

۵۱۰ھ/۱۱۱۷ء میں مدرسہ نظامیہ میں آگ لگی تو کتب خانہ کی کتابوں کو آگ سے بچانے کے لیے طلبہ نے فوری طور پر تمام کتابوں کو وہاں سے دوسری جگہ منتقل کر دیا۔ کتب خانہ کی عمارت خاک ہوگئی تھی اس لیے اس کی دوبارہ تعمیر ہوئی۔ نئی الماریوں میں کتابوں کی ترتیب نو ہوئی۔ برسوں گذرنے کے بعد کتب خانہ میں بوسیدگی آئی تو عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ نے ۵۸۹ھ/ ۱۱۹۳ء میں اس کی تعمیر نو کا حکم دیا اور وہاں ہزاروں نفیس کتابیں منتقل کیں (۳۱)۔

اس زمانہ میں تین قسم کے کتب خانے تھے:

عام کتب خانے: یہ عام لوگوں اور طالب علموں کو کتابیں عاریتاً دیتے تھے۔

خاص کتب خانے: یہ خلفاء، امراء اور اہل ثروت کے گھروں میں موجود تھے۔

مخصوص کتب خانے: یہ علماء وطلبہ کے متعین طبقہ کو کتابیں عاریتاً دیتے تھے۔

عصر سلجوقی میں علماء عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کتابیں لکھتے تھے۔علماء ان دونوں زبانوں کی واقفیت اوران میں تحریری مہارت پر فخر کرتے تھے۔(۳۲)

مشہور طلبہ: مدرسہ نظامیہ کے بعض مشہور طلبہ یہ ہیں:

ابن عساکر الدمشقی: علی بن حسن (وفات ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء)۔بغداد آئے اور مدرسہ نظامیہ میں تفقہ اور سماع دروس کی پابندی کی۔ان کی کتابوں میں مشہور ترین تاریخ دمشق ہے۔(۳۳)

العماد الاصفہانی: ابوعبداللہ محمد بن صفی الدین الکاتب (وفات ۵۷۱ھ/۱۱۷۵ء)۔ نظامی مدرسہ میں شیخ ابن منصور سعید سے تعلیم حاصل کی۔وہاں ابوالحسن علی بن ہبۃ اللہ بن عبدالسلام وغیرہ بڑے مدرسین سے سماع حدیث کیا(۳۴)۔ان کی مشہور ترین کتابوں میں **جریدة القصر وجریدة العصر** اور **الفیح فی الفتح القدسی** ہے۔سلطان نورالدین زنگی کے ہاں ان کا بڑا مقام تھا، وہ ان کے معتمد وامین تھے اور صلاح الدین ایوبی کے نمایاں ترین کاتبوں میں سے تھے، ان کا رتبہ حکومت کے وزراء کے مانند تھا(۳۵)۔دمشق میں وفات ہوئی اور مقابر صوفیہ میں دفن ہوئے۔(۳۶)

بہاء الدین بن شداد: (وفات ۶۳۲ھ) بغداد میں شوافع کے شیخ رضی الدین القزوینی کے شاگردوں میں تھے۔پھر صلاح الدین ایوبی کے مردان کار میں شامل ہوگئے۔حلب کے قاضی مقرر ہوئے۔وہیں ان کی وفات ہوئی۔ان کی کتابوں میں سیرۃ صلاح الدین ابن ایوب ہے، مدرسہ نظامیہ میں معید کی حیثیت سے بھی کام کیا۔(۳۷)

اس طرح جن لوگوں نے مدرسہ نظامیہ بغداد میں تعلیم حاصل کی، وہ عموماً اپنی تعلیمی، ثقافتی، سیاسی اور اجتماعی زندگی میں مشہور ہوئے۔ان کی بڑی تعداد ہے۔ (باقی)

حواشی وحوالے

(۱) نظام الملک طوسی، ص۲۳۴۔(۲) الکامل فی التاریخ لابن الاثیر، ۲۲۶/۶۔(۳) الحشاشون من وجهة نظر المورخین۔(۴-۷) الکامل فی التاریخ لابن الاثیر۔(۸) طبقات الشافعیة الکبریٰ۔(۹) مزید تفصیل کے لیے

سیاست نامہ سیر الملوک ۔(۱۰) نظام الملک ملامح وانجازات فی ذکری وفاتہ ۔(۱۱) عہد نظام الملک فی دولۃ السلاجقۃ ۔(۱۲) قواعد الحکم فی سلطنۃ آل سلجوق من خلال کتاب سیاست نامہ المجلۃ الاردنیۃ فی الدراسات الاسلامیۃ ۱/۵، ۱۴۳۰ھ/۲۰۰۹ء، ص ۲۱۷ ۔ (۱۳-۱۵) عہد نظام الملک ۔(۱۶) المدارس الاسلامیۃ فی عہد السلاجقۃ: أہمیۃ الفکر فی مواجہۃ المد الباطنی ۔(۱۷) دراسۃ لسقوط ثلاثین دولۃ اسلامیۃ، ص ۴۶ ۔(۱۸) المدارس النظامیۃ ۔(۱۹) مدرسہ کی عمارت چوپہل تھی، اس میں ہالوں پر قبے بنے ہوئے تھے، اس کے وسط میں صحن تھا، مسجد تھی، عمارت سے ملحق مکانوں میں طلبہ کے رہنے کی جگہ تھی، اس میں غسل خانے، مطبخ اور اسٹور بھی تھے، درجات مدرسہ کے صحن کے چاروں طرف تھے، مدرسہ میں ایک کتب خانہ بھی تھا۔(۲۰) حسین امین، المدارس التراثیۃ ببغداد: المدرسۃ النظامیۃ، المجمع العلمی العراقی، شمارہ ٦ ۔(۲۱) المنتظم ۹/٦ ۔ (۲۲-۲۳) المدارس الاسلامیۃ فی العصر العباسی واثرھا فی تطور التعلیم، ص ٦-۷ ۔(۲۴-۲۵) نظام الملک والنظامیۃ ۔(۲٦) تحکیم الشریعۃ الاسلامیہ عبر التاریخ ۔(۲۷) تاریخ العراق فی العصر السلجوقی، ص ۲۷۷ ۔(۲۸) الرحلۃ ص ۱۷۴، نقلاً عن المدارس الاسلامیۃ ۔(۲۹) الکامل فی التاریخ ۱۴۳/۸ ۔(۳۰) نظام الملک والنظامیۃ ۔(۳۱) بغداد تاریخ نقلا عن المنتظم ٦٦/۹ ۔(۳۲-۳۷) من تراث الترکمان الحضاریۃ فی العراق ۔

دکھنی اردو کا گوہر آبدار

مخطوطہ خزانۂ عبادت

انوار صمدانی امروہوی

مخطوطات ہمارے شاندار ماضی کے امین اور روشن مستقبل کے ضامن ہیں۔ یہ ہماری ادبی، علمی و تاریخی وراثت ہیں۔ انہیں روشناس کرانا ہمارا فریضہ ہے۔ ان سطور میں دکھنی اردو میں لکھے گئے ایک ادبی و فقہی مخطوطہ کا تعارف کرانا مقصود ہے۔ قبل ازیں مفتی اور شاعر کے حالات پر سرسری نگاہ ڈالی جائے تو بہتر ہوگا۔

اس منظوم مخطوطہ (۱) کا نام ''خزانۂ عبادت'' ہے اور اس کو نظم کا جامہ پہنانے والے سید شاہ محمد الحسینی چشتیؒ ہیں۔ تذکرہ اولیائے حیدرآباد مرتبہ سید مراد علی طالعؔ صفحہ ۱۴۳/ جلد دوم پر مرقوم ہے:

''یہ بزرگ صحیح النسب و نجیب الطرفین (۲) سادات رضوی اور شیخ الوقت تھے۔ حضرت (شاہ محمد الحسینی چشتی) سید شاہ سہراب الدین چشتی عریاں شمشیر (م ۱۰۸۷ھ) کے حقیقی پوتے اور حضرت سید شاہ امین الدین علی چشتیؒ (۱۱۵۰ھ/ ۱۷۳۷ء) کے چھوٹے صاحبزادے تھے''۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: سید شاہ محمد الحسینی چشتی ابن سید شاہ امین الدین علی چشتی رضوی بن سید شاہ سہراب الدین چشتی عریاں شمشیر رضوی بن سید علی بن سید ہاشم رضوی۔ (۳)

وہ صاحب علم اور نیک سیرت بزرگ تھے۔ نیز سلسلۂ چشتیہ، قادریہ میں اپنے والد گرامی سے شرف بیعت سے مشرف تھے۔ چنانچہ صاحب تذکرہ اولیائے حیدرآباد، جلد دوم صفحہ ۱۴۳ پر رقمطراز ہیں:

محلّہ بچدرہ، نزد جنوں والی مسجد امروہہ یو. پی (انڈیا)

''شاہ صاحب اپنے وقت کے زبردست پیر طریقت اور ذاکر و مشاغل، نہایت متقی و پرہیزگار اور صاحب تسلیم و رضا، تہجد گذار اور پابند شریعت، صاحب تصرف اور بافیض صوفی تھے۔ مریدوں کی تعداد بھی بہت کافی تھی۔''

شاہ صاحب مخطوطہ کے ورق ۱۳ات/ب پر اپنے مرشد کے بارے میں فرماتے ہیں:

ولیاں سوں ہی قایم زمانہ تمام — جگت جب تلک ہی وے ہی مدام
صدی باروین کے ولیا نمیں شکل — ولی ھینگے یو شاہ میران نول
کرامات ان کے بی بی سربسر — ہر یک ٹھور مشہور نکری نکر
میرے پیر کا طور یہی تھا تمام — کہ دریای وحدۃ میں غوطہ مدام
کہ جس کام خاطر جو آیا میرے پیر کے — بیان یرا مت سویک دہیرتے
میں کرتا ہوں بوجو کہ ای خاص و عام — حضور یمیں تہا شیران کی مدام
تہجد کے وقت وظیفہ سینے — ادب سات آ بیٹھ کر سامنے

معلوم ہوا کہ وہ اپنے والد بزرگوار کے علاوہ حضرت شاہ میران سے بھی بیعت تھے۔ شاہ میران بارھویں صدی ہجری کے بزرگوں میں سے تھے۔ جیسا کہ شاہ صاحب مخطوطہ کے ورق ۱۳ات/ب پر فرماتے ہیں:

صدی بار ویں کے ولیا نمیں شکل — وے ھینگے یو شاہ میران نول

شاہ صاحب اپنے بارے میں رقمطراز ہیں:

کرامت بہی بہوت ہي سر بسر — ولیکن مجی نین یہی فرست کگر
بیان اس کا میں نین کیا ہوں تمام — مجی ہي مسائیل جو لکہنی کا کام
(مخطوطہ ورق ۱۳اث/ب)

''ان کا انتقال ۲۴/ماہ رمضان المبارک ۱۱۹۹ھ (۳۱/جولائی ۱۷۸۴ء بروز اتوار) ہوا اور محلّہ لنگر حوض میں والد بزرگوار کے پائیں میں علاحدہ چوکھٹ میں دفن ہوئے۔ ہاتفی نامی شاعر نے وصال پر یہ اشعار کہے'' (تذکرہ اولیائے لاہور، جلد دوم ص ۱۴۴)

سلطان صابرین و یقین مصدر کرم — چوارتحال کرد ازیں منزل عدم

چوں خاص دل ز روح مطہر سن وفات　　از راہِ لطف وجود بر ایں گشتہ رہبرم

ہاتف ز غیب گفت بجنت روانہ شد　　مسند نشین بملک جناں شاہ محمدم

''یک آفتاب رفتہ'' چنیں گفت ہاتفی　　تاریخ رحل ذات مبارک بہ کمترم

۱۱۹۹ھ　نقل از تذکرہ اولیائے حیدرآباد مرتبہ سید مراد علی طالع جلد دوم صفحہ ۱۴۴

ہر سال ۲۴/ رمضان المبارک کو معمولی طور پر رسم فاتحہ خوانی کی جاتی ہے۔ (مذکورہ کتاب مرتبہ سید مراد علی طالع)

مخطوطے پر ایک نظر:　نام: خزانۂ عبادت، مولف سید شاہ محمد الحسینی چشتی (م ۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۴ء)۔ سنہ آغاز ۱۱۴۰ھ، سنہ اختتام ۱۱۹۹ھ، زبان دکھنی اردو، اوراق: ۳۳۸ = ۶۷۶ صفحات، روشنائی سیاہ، شنگرفی خط معمولی نستعلیق، کاغذ کا سائز 19.5x14.cm، حوض کا سائز 18.5x10.5cm مخطوطہ کا نام اس شعر سے معلوم ہوتا ہے۔

لکر بہوت رنج کھنچ اسپر تمام　''خزانہ عبادت'' رکھا اس کا نام

یہ مخطوطہ محمد علی بن حافظ عمر بن عوض بن محمد سعید باحضی کے پاس بھی رہا تھا۔ تعداد اشعار کم وبیش دس ہزار تریسٹھ ہے۔

خزانۂ عبادت کے ابھی تک صرف چار ہی قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ ایک سالار جنگ میوزیم حیدرآباد مکتوبہ (۱۲۴۱ھ) دوسرا ادارۂ ادبیات اردو (حیدرآباد، دیکھیے الموسیٰ کا یادگار ولی نمبر)، تیسرا خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ۔ زیر نظر مخطوطہ چوتھا نسخہ ہے نیز یہ نسخہ بدست مولف ہے کیونکہ یہ مخطوطہ جگہ جگہ قلم زد اور مولف نے اس کی جگہ دوسری عبارت بین السطور اور حاشیے میں لکھی ہے۔ اس میں دو روشنائیاں سیاہ روشنائی متن میں اور شنگرفی سرخیوں کے لیے استعمال کی گئی ہے۔ نمبر تین والا نسخہ مع شرح ہم نے خ۔ ب۔ لائبریری پٹنہ کو فروخت کیا ہے)۔

مولف کو نہ صرف اردو پر عبور ہے بلکہ عربی زبان پر بھی دسترس حاصل ہے۔ اس کتاب میں جہاں اردو (دکھنی) اشعار موجود ہیں وہیں عربی اشعار یا الفاظ بھی ہیں۔ ورق ۸۷/ب کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں: (۴)

رَیاحِ رشَاد بِہٖ رَاسِم وَ رَعِیْل　　فَضَّاتُ فَیَّاضِ بِہٖ فَاکُلُ فَبِیْل

عَیَالُ عَیَانُ بھی عِزُزُوْنَ بھی عرسّین و علّام و عِزنُون بھی

مولف شاہ محمد الحسینی خلفائے راشدین کی مدح سرائی اس طرح فرماتے ہیں:

۱- دعا مانگنے کے سو بھئ بعد از امام مراتب ابابکر کا پر تمام

۲- دعا مانگنے کے سو بھی بعد ازان مراتب عمر کا سو پر ناہی یان

۳- دعا کے پیر و بعد یکبار یون مراتب یو عثمان جون ہی بتون

۴- دعا کے پچھی پھر کو فی الفور توں علی کا مراتب پیر اسطور سون

شاہ محمد الحسینی صاحب امام سیف الدینؒ کے لیے (ورق ۱۰۰/الف) فرماتے ہیں:

کہی خواجہ امام سیف الدین غزنوی موذن کہی سو کہی سب وہی

ثلثۃ کہی تو سنو ای عزیز امام اعظم یوسف محمد سو تمیز

احمد شاہ غازی دکنی کی مدح اس طرح کرتے ہیں:

بعد اس کے دسری سپری پواتر صفت بادشاہ کے سو کرنے سکر

یو یعنے جو جسکے سو شاہی اچھی ضرور یکون اتناج پر ناہکی

اللّٰھم وفق سلطان زماننا ھذا احمد شاہ بادشاہ غازی لما تحب و ترضی واجعل آخر خیر من الاولیٰ ...

زمانے میں احمد شاہ کے تمام بنیا کو اسمین لکھیا ان کا نام

(ورق ۱۸۹/الف/ب)

علاوہ ازیں شاہ محمد الحسینی صاحب بزرگان دین و علماء متین مثلاً شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شیخ محمد طاہرؒ، امام سیوطیؒ، شیخ ابن ہمام، امام فخرالدین رازیؒ، ملا علی قاری اور ائمہ اربعہ کی مدح سرائی کی ہے۔ نیز دکھن کے لوگوں کے بارے میں فرماتے ہیں:

دکھن کے اچھن لوک تو یوں جو کوئی نماز پوجو اس وقت کا فرض ہے

سو کرتاؤں خدا واسطا سر بسر بعد بوے اللہ اکبر کس کر

(ورق ۱۵۵/ب)

شاہ صاحب نے جن کتب سے استفادہ کیا ہے۔ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

بہی یہی نیک عمل جواو میوہ سوجان کتابان مینے معتبر یو بیان

(ورق ۱۲/ب)

مخطوطے کا نام اس شعر سے معلوم ہوتا ہے۔

ککر بہوت رنج کہنچ اس پر تمام ''خزانہ عبادت'' رکھا اس کا نام

(ورق ۱۴/الف)

شاہ محمد الحسینی نے جن مذہبی کتب سے استفادہ کیا ہے ان کے نام اس طرح ہیں۔

۱-تفسیر معانی۔۲-جامع الرموز۔۳-فتاویٰ جمادی۔۴-فتاویٰ شافی۔۵-فتاویٰ الاسرار۔ ۶-فتاویٰ غرائب۔۷-فتاویٰ قراخانی از مولانا امام صدر الملت والدین یعقوب مظفر کرمانی۔ ۸-فتاوی سمرقندی۔ابوالقاسم ناصر الدین محمد بن یوسف سمرقندی حنفی ۵۵۶ھ۔۹-فتاویٰ ظہیریہ۔ شیخ ابوبکر ظہیر الدین محمد بن احمد بخاری حنفی م ۶۱۹ھ (برصغیر میں علم فقہ ص ۱۰۲)۔۱۰-فتاویٰ عتابی/ جامع الفقہ۔ابونصر احمد بن عمر زاہدی عتابی تجاری م ۵۸۶ھ برصغیر میں علم فقہ ص ۲۷۳ اسحاق بھٹی۔ ۱۱-فتاویٰ قاضی خان۔فخر الدین حسن بن منصور حنفی م ۵۹۲ھ، ۱۰۲/قاموس المشاہیر ص ۱۰۲۔۱۲-فتاویٰ حجت۔۱۳-فتاویٰ محمودی۔۱۴-فتاوی جواہر/جواہر الفتاویٰ: شیخ رکن الدین ابوبکر محمد بن ابوالمفاخر بن عبدالرشید کرمانی حنفی (برصغیر میں علم فقہ ۳۶۸)۔۱۵-فتاویٰ(۵) عالم گیری ۱۰۶۷ھ میں تالیف ہوئی۔۱۶-فتاویٰ کبیر۔۱۷-فتاویٰ برہنہ۔۱۸-فتاویٰ جلالی۔۱۹-فتاویٰ قادریہ۔۲۰-فتاویٰ حمادیہ۔ نویں صدی ہجری کی تصنیف ہے۔گجرات کے قاضی القضاۃ حماد الدین کی طرف منسوب ہے۔ اس فتاویٰ کو بحکم قاضی حماد الدین، قاضی رکن الدین اوران کے صاحبزادے قاضی داؤد ناگوری نے مرتب کیا تھا۔(برصغیر میں علم فقہ صفحہ ۱۲۹) ۲۱-فتاویٰ غیاثیہ: سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں لکھا گیا۔م: ۶۶۴ تا ۶۸۶ھ/ ۱۲۶۶ء تا ۱۲۸۷ء۔۲۲-فتاویٰ حمیدیہ۔۲۳-فتاویٰ بحرالرائق۔ ۲۴-فتاویٰ جامع العصر۔۲۵-فتاویٰ حجیج۔۲۶-فتاویٰ ابواللیث: نصر بن سمرقندی امام ابواللیث م ۳۷۳ھ (قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون ص ۱۰۲)۔۲۷-جامع الفتاویٰ: ابوالقاسم ناصر الدین محمد بن یوسف سمرقندی حنفی ۵۵۶ھ۔۲۸-نوادر الفتاوی۔شیخ ابوسلمان موسیٰ بن سلیمان جوزجانی بغدادی حنفی م ۲۰۰ھ (برصغیر پاک و ہند ص ۳۷۸)۔۲۹-مجموع سلطانی/مجموعہ سلطانی مشائخین دربار

محمود غزنوی (فہرست مخطوطات شیرانی جلد سوم ص ۲۰۲)۔ ۳۰-مختار الفتاوی۔ از صاحب ہدایہ (ظفر المحصلین ص ۱۹۴)۔ ۳۱-شرح وقایہ۔ عبیداللہ صدر الشریعہ الاصغر ص ۷۴۷ھ (ظفر المحصلین ص ۲۰۵)۔ ۳۲-فتح القدیر: قاضی القضاۃ ابوعلی غنی بن علی شوکانی (از تاریخ احمد ص ۷)۔ ۳۳-ہدایہ: ابوالحسن علی بن ابی بکر پیدائش ۸/رجب ۵۱۱م: ۵۹۳ یا ۵۹۶ھ۔ ۳۴-بخاری شریف: حضرت امام بخاریؒ ۲۵۶ھ۔ ۳۵-نسائی شریف: ابوعبدالرحمٰن شعیب بن علی نسائیؒ پ ۲۱۵ھ، م ۳۰۳ھ (ایک عالمی تاریخ ص ۷۷)۔ ۳۶-ابوداؤد شریف: ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی پ ۲۰۲ھ، م ۲۷۵ھ (ایضاً)۔ ۳۷-ابن ماجہ شریف: ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی پ ۲۰۹ھ، م ۲۷۳ھ (ایضاً)۔ ۳۸-مسلم شریف: حضرت امام مسلم پ: ۲۰۶ھ م: ۲۶۱ھ (ایضاً)۔ ۳۹-مختصر القدوری ابوالحسین احمد قدوری پ: ۳۶۲م، ۵/رجب ۴۲۸ھ مذکورہ کتاب صفحہ ۸۸-۱۸۹۔ ۴۰-شرح مسند شیخ نورالدین علی القاری الہروی م ۱۰۱۴ (ظفر المحصلین ص ۴۸۴)۔ ۴۱-شرح التنبیہ محی الدین ابوزکریا یحییٰ بن شرف بن حسن نوادی پ ۶۳۱ھ، چہار شنبہ م ۶۷۷ھ مذکورہ کتاب ص ۷۵-۴۷۴۔ ۴۲-شرالمنیہ۔ ۴۳-شرح منظومہ۔ ۴۴- (رسالہ) شرح نام حق، متن کے مصنف علمائے بلخ میں سے ہیں۔ (فہرست کتب خانہ پشاور نمبر ۶۲۰)۔ ۴۵-شافیعہ/شافیہ از ابن حاجب۔ ۴۶-منیۃ المصلی و غنیۃ المبتدی۔ ۴۷- جامع الکبیر۔ ۴۸- خلاصۃ الاحکام۔ ۴۹- جامع الصغیر محمد ابوعبداللہ پ: ۱۳۲ھ، م: ۱۸۹ھ (ظفر المحصلین ص ۹۱)۔ ۵۰-صلوۃ المسعودی شیخ ابوعطا مسعود بن محمود بن یوسف سمرقندی۔ ۵۱- رسالہ لباس۔ قاضی اختیار صاحب (اس مخطوطہ میں یہ نام لکھا ہوا ہے)۔ ۵۲- خلاصۃ الفقہ۔ شیخ طاہر بن احمد بخاری م ۵۴۲ھ۔ ۵۳- تجنس المزید: ابو طاہر محمد بن محمد عبدالرشید م ۴۷۷ھ (ظفر المحصلین ص ۲۱۹)۔ ۵۴-تحفۃ النصائح۔ شیخ یوسف دہلوی خلیفہ چراغ دہلیؒ۔ ۵۵- زادالفقہا۔ ۵۶- محیط میانی (معانی)۔ ۵۷-مصفی۔ ۵۸- ینابع الاحکام۔ امام عبداللہ محمد بن زنگی السفر ائنی الشعبی الساوی (برصغیر میں علم فقہ ص ۳۸۰)۔ ۵۹-خزانۃ الروایہ۔ ۶۱-صحیح ظہیری۔ ۶۲- قنیہ: نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی م ۶۵۸ھ (کتب خانہ پشاور نمبر ۶۱۸)۔ ۶۳- الکافی: شیخ موفق الدین عبداللہ بن احمد مقدسی م: ۶۲۰ھ (ایک عالمی تاریخ ص ۸۰)۔ ۶۴- ترغیب الصلوٰۃ۔ محمد بن احمد زاہد (کتب خانہ پشاور نمبر ۶۵۱)۔ ۶۵- نصاب الفقہ شیخ طاہر بن احمد

بخاری م۵۴۲ھ (برصغیر میں علم فقہ ص ۳۷۸)۔ ۶۶-ابن زیاد۔ ۶۷- درهم الکیس ۔ ۶۸-محبّ الاتقیاء۔ ۶۹-تسیر الاحکام۔شہاب الدین بن شمس الدین عمر الذاولی الدولت آبادی م ۸۴۸ھ (فہرست رام پور عربی اول ۱۱۴)۔ ۷۰-کفایہ: قاضی ابوعلی محمد بن محمد بن حسین بن الضراء حنبلی م ۴۵۸ھ (قرۃ العیون ص ۸۹)۔ ۷۱-تکمیل الایمان، شیخ عبدالحق محدث دہلوی م ۹۵۸ھ (فہرست مخطوطات شیرانی جلد دوم ص ۲۷۸)۔ ۷۲- مراج الوہاج ۔ ۷۳- نصاب الصبان: ابونصر راہی۔ ۷۴-الملتقط : امام ناصر الدین ابوالقاسم محمد بن یوسف حسینی سمرقندی ۵۵۶ھ (کتب خانہ پشاور نمبر ۶۹۹)۔ ۷۵-تحفۃ الفقہا: شیخ علاء الدین محمد بن احمد حنفی سمرقندی (برصغیر میں علم فقہ ص ۳۶۷، مزمل لائبریری ص ۳۲۸)۔ ۷۶- زینت القاری: کرامت علی جونپوری ۱۲۹۰ھ ۔ (تذکرہ علمائے ہند ص ۳۹۶)۔ ۷۷- عمدۃ الاسلام : ابو طالب بن کمال ملتانی (فہرست رضا لائبریری رامپور جلد اول)۔ ۷۸- سراجیہ۔ ابو طاہر محمد سراج الدین بن محمد بن عبدالرشید (ظفر المحصلین ص ۲۱۹)۔ ۷۹-نور الایضاح : ابوالاخلاص حسن بن عمار بن علی ۹۹۹م : ۱۱ر رمضان ۱۰۶۹ھ ظفر المحصلین ص ۲۰۹۔ ۸۰-غنیۃ الطالبین۔ امام الاولیاء سیدنا شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانی نوراللہ مرقدہ ۔ ۸۱- خلاصۂ کیدانی۔ شمس الدین محمد بن حمزہ الفندی بقول بعض لطف اللہ النسفی المعروف باالفاضل الکیدانی م: ۵۳۴ھ (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی رامپور رضا لائبریری ص ۱۱۵، جلد اول)۔ ۸۲-جواہر خمسہ۔ سیدنا محمد غوث گوالیاریؒ۔ ۸۳- تحفۃ الملوک۔ ابو اسمٰعیل خواجہ عبداللہ بن محمد انصاری ہروی م: ۴۸۱ھ (فہرست نسخہ ہای خطی فارسی جلد اول ص ۵۴۰)۔ ۸۴- قدوری: پ: ۳۶۲ھ م بہ عمر ۶۶ سال بروز اتوار ۵ر رجب ۴۲۸ھ (ظفر المحصلین ص ۱۸۹)۔ ۸۵- خزانہ المتقین۔ شیخ حسین بن محمد سیقانی (سمنقانی) حنفی م: ۷۴۰ھ (برصغیر میں علم فقہ ص ۳۶۹)۔ ۸۶- مفید الاولیاء دارہ شکوہ ۱۰۶۹ھ۔ ۸۷- میزان الشعراء۔ ۸۸- قواعد سرجی۔ ۸۹-تفسیر بحر العلوم۔ ۹۰- منہاجیہ۔ ۹۱- بدایع محیط۔ ۹۲- صدر الشریعہ۔ ۹۳- نسفی۔ ۹۴- فتح المعین۔ ۹۵- صاحبیہ۔ ۹۶- شتابی ۔ ۹۷- والجیہ ۔ ۹۸- طیبی شرح مرقاۃ: حسین بن محمد بن عبداللہ طیبی م: ۷۴۳ھ/ ۱۲۴۲ء (فہرست کتب خانہ پشاور نمبر ۳۲۷)۔ ۹۹- فقہ ابوجعفر : ابوجعفر محمد بن طریز طبری م: ۲۱۰ھ (قرۃ العیون ص ۱۵۸)

خزانۂ عبادت کی فہرستِ ابواب وعناوین ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر	باب/مضمون	ورق
۸۷	قاعدہ اولیٰ	۱۴۹
۸۸	تشہد در ہر دو قاعدہ	۱۴۹
۸۹	بیان سلام (نماز کے بعد)	۱۵۰
۹۰	باب سنت رفع یدین	۱۵۱
۹۱	رفع یدین	۱۵۳
۹۲	بیان ثناء	۱۵۳
۹۳	بیان تعوذ	۱۵۶
۹۴	بیان سبحان اللہ	۱۵۶
۹۵	تکبیرات انتقالات	۱۵۷
۹۶	تسبیحات رکوع وسجود	۱۵۸
۹۷	بیان سمع اللہ لمن حمدہ	۱۵۹
۹۸	توقف در قومہ و در جلسہ	۱۶۰
۹۹	درود در قاعدۂ آخرہ	۱۶۱
۱۰۰	دعاء ماثورہ	۱۶۲
۱۰۱	بیان آمین	۱۶۲
۱۰۲	ہمہ سنتہا در نماز	۱۶۳
۱۰۳	باب مستحبات	۱۶۴
۱۰۴	آداب نماز	۱۶۵
۱۰۵	مباحات در نماز	۱۶۶
۱۰۶	منہیات در نماز	۱۶۷
۱۰۷	مکروہات در نماز	۱۶۸
۱۰۸	محرومات نماز	۱۷۵
۱۰۹	شکنندۂ نماز وخود شکستن نماز	۱۷۵
۱۱۰	آنکہ در قرأت سنت است	۱۸۰
۱۱۱	مستحبات در قرأت	۱۸۱
۱۱۲	قرأتہائے در وتر	۱۸۳
۱۱۳	نماز جمعہ	۱۸۴
۱۱۴	نماز عیدین	۱۹۲
۱۱۵	سہو سجدہ	۱۹۴
۱۱۶	سجدہ تلاوۃ (ت)	۲۰۲
۱۱۱۷	نماز جنازہ	۲۰۵
۱۱۸	بیان قبر و دفن و نماز آنوقت	۲۰۹
۱۱۹	نماز مسافر	۲۱۲
۱۲۰	نماز بیمار	۲۱۶
۱۲۱	نماز در جائے خوف	۲۱۶
۱۲۲	وقتہائے ہمہ نماز	۲۱۸
۱۲۳	نماز صاحب ترتیب	۲۳۵
۱۲۴	نماز در کعبہ	۲۳۷
۱۲۵	داخل شدن در اقامت	۲۳۷
۱۲۶	بیان جماعت	۲۴۰
۱۲۷	نماز تراویح	۲۴۷
۱۲۸	باب روزہ	۲۴۹
۱۲۹	آنکہ عذاب است در شکستن روزہ	۲۵۰
۱۳۰	بیان روزہ	۲۵۰

نمبر	باب/مضمون	ورق	نمبر	باب/مضمون	ورق
۱۷۵	حلال وحرام جانور	۳۰۱	۱۸۲	بیان ترکہ	۳۲۴
۱۷۶	کلمہ کفر	۳۰۴	۱۸۳	بیان غصہ	۳۲۹
۱۷۷	فعلہائے حرام	۳۰۸	۱۸۴	بیان ذوالارحام	۳۳۰
۱۷۸	بیان عقیقہ	۳۱۵	۱۸۵	قواید دگر	۳۳۰
۱۷۹	حق مادرو پدر برفرزند	۳۱۶	۱۸۶	بیان سفر	۳۳۱
۱۸۰	حق مادر پدر بعد وفات	۳۱۹	۱۸۷	بیان ختم کتاب (خزانۂ عبادات)	
۱۸۱	بیان نفقہ	۳۲۲			

شاہ محمد الحسینی صاحب نے تمام کتب کا ذکر شاعری میں کیا ہے۔مثلاً بحرالرائق، بحرالمذاہب وغیرہ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: بحرالرائق سوحنفیہ کتاب، بحرالمذاہب سوشافعہ کتاب۔(مخطوطہ ورق ۵۹/الف)۔

مفتاتیح (مفاتیح) کے بیچ دیکھا ہوں میں ندینا ام وولدخواجہ کے تین (ورق ۲۷/ب)۔

اسی طرح شاہ محمد الحسینی صاحب نے قرآن کریم واحادیث مبارکہ سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ یہ مخطوطہ دکھنی اردو ادب میں اہم مقام رکھتا ہے۔ نیز یہ نسخہ مولف کے مزید حالات، مذہب اوراس وقت رائج شدہ اردو الفاظ پر بھرپور روشنی ڈالتا ہے۔

مآخذ وتعلیقات

(۱) یہ مخطوطہ میرے برادر بزرگ جناب افتخار احمد جیلانی نے حیدرآباد سے خریدا تھا۔ جو ہندوستان کے معروف ماہر نوادر جناب توفیق احمد قادری چشتی امروہوی کے لائق پسر ہیں۔اب یہ نسخہ جناب مفتی محمد شاہد مدظلہ العالی نواسہ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی کوشش سے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔ ۲۰۱۳ء میں ہم نے ایک نسخہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ میں بہ قیمت دیا ہے۔(۲) ''نجیب الطرفین کی اصطلاح نہایت غیر اسلامی، غیر انسانی اور غیر ضروری ہے جس پر فخر کرنا یا زور دینا منطقی طور پر مناسب نہیں معلوم ہوتا''۔ گفتنی ناگفتنی مصنف وامق جونپوری متوفی ۲۱/نومبر ۱۹۹۸ء، ص ۱۱۔ (۳) محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیائے

دکن، ص ۳۹۸، جلد اول ۔ (۴) لیکن قاموس المشاہیر جلد دوم کے مرتب نے اس کا نام قرآن خوانی لکھا ہے جو بہ عہد علاء الدین خلجی ہوا ہے ۔ (۵) برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ از مولانا محمد اسحاق بھٹی، ص ۳۴ ۔

(۱) تذکرہ علمائے ہند از رحمٰن علی ترجمہ محمد ایوب قادری مطبوعہ ۱۹۶۱ء ۔ (۲) فہرست کتب خانہ پشاور ۔ (۳) فہرست نسخہ ھای خطی فارسی رضا لائبریری رام پور یوپی، اول و دوم ۔ (۴) فہرست مخطوطات مزمل لائبریری علی گڑھ ۔ (۵) قرۃ العیون فی تذکرۃ الفنون از مولانا ظفر صاحب گنگوہی ۔ (۶) ظفر المحصلین از مولانا ظفر صاحب گنگوہی ۔ (۷) تذکرہ اولیائے حیدرآباد جلد دوم مرتبہ سید محمد مراد طالع ۔ (۸) محبوب ذوالمنن فی تذکرہ اولیائے دکن جلد اول ۔ (۹) فہرست مخطوطات شیرانی اول تا سوم ۔ (۱۰) برصغیر پاک و ہند میں علم فقہ از محمد اسحاق بھٹی (پاکستان) ۔ (۱۱) ایک عالمی تاریخ از مولانا محمد عثمان معروفی مطبوعہ ۱۹۷۳ء ۔ (۱۲) گفتنی ناگفتنی از وامق جونپوری م: ۲۱ر نومبر ۱۹۹۸ء ۔ (۱۳) وفیات مشاہیر اردو از محمد بشارت علی خاں فراغ م: ۱۳ر فروری ۲۰۱۰ء ۔

اردو غزل

پروفیسر یوسف حسین خاں

اس میں غزل اور نظم، درون بینی اور رمزیت، تخیل اور جذبہ کا تعلق رمزیت سے، تخیل کا اندرونی اور خارجی عالم، لفظ اور معنی، علامتی الفاظ، رنگ و بو کے شعری محرکات، غالب کی جدت، تحلیل نفسی کی انقلابی فکر اور رومانیت وغیرہ جیسے اہم فنی خصائص پر گفتگو کے ساتھ ساتھ محمد ولی اورنگ آبادی، سراج الدین علی خاں آرزو، مرزا مظہر جان جاناں، شاہ حاتم، راجہ رام نرائن موزوں، میر عبدالحئی تاباں، انعام اللہ خاں یقین، محمد محسن دہلوی، مرزا عنایت علی بیگ، نواب بیگم حجاب، اکبر حسین الہ آبادی، مرزا کاظم وغیرہ سے بشیر بدر تک کی غزلوں کا انتخاب بھی کیا گیا ہے۔

قیمت =/۳۰۰ روپے

اخبار علمیہ

”برلن میں قدیم ترین مصحف قرآن کی دریافت“

جرمنی کی ٹوبینگن یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں قرآن مجید کا ایسا نسخہ دریافت ہوا ہے جس کے متعلق ماہرین کا خیال ہے کہ یہ عہد خلافت راشدہ میں لکھا گیا ہے۔ان کے بیان کے مطابق اس کی کتابت آنحضورﷺ کی وفات کے بیس یا چالیس سال بعد کی گئی ہے۔اس نسخہ کا معائنہ عالمی تحقیقی پروجیکٹ کے طور پر بھی کیا جارہا ہے اور اس کے صحیح سنہ کتابت کا پتہ لگانے کے لیے جدید ترین سائنٹفک طریقوں کو اپنایا جارہا ہے۔یونیورسٹی کے ترجمان نے بتایا کہ یہ قلمی نسخہ خط کوفی میں ہے۔۱۸۸۴ء میں یونیورسٹی نے کچھ کتابیں خریدی تھیں،اسی ذخیرہ کتب میں یہ قدیم ترین مصحف قرآنی بھی تھا۔(اردو نیوز روزنامہ،۱۱رنومبر ۲۰۱۴ء)

”مصنوعی ہاتھ کی حرکت“

پٹس برگ یونیورسٹی میں ایک تحقیق میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ سائنس دانوں نے ایک مصنوعی ہاتھ کی حرکت کے نظام کو دماغ کے اعصاب سے جوڑنے میں کامیابی حاصل کی ہے اور اس تجربہ میں ۵۵ سالہ معذور خاتون نے اپنے مصنوعی بازو کو حرکت میں لانے کا مظاہرہ کیا۔یہ حرکت انگلی اور انگوٹھے میں ہوئی جس کی مدد سے چیزوں کو اٹھانا اور پکڑنا ممکن ہوگیا۔۲۰۰۳ء سے معذور خاتون کو ۲۰۱۲ء میں تجربہ کے لیے درکار اجازت مل گئی تو ایک آپریشن کے ذریعہ ان کے دماغ میں ۱/۴ انچ کے دو الکٹروڈ گرڈس جن میں سے ہر ایک میں ۹۶ باریک اتصالاتی روزن تھے۔نصب کردیے گئے اور اس کے لیے دماغ کا وہ حصہ منتخب کیا گیا جو دائیں بازو اور ہاتھ کی حرکت کا ذمہ دار ہے۔اس کے بعد دماغ اور کمپیوٹر کے درمیان ربط پیدا کرنے والے سافٹ ویر کی مدد سے دماغ میں لگائے گئے الکٹروڈ گرڈس کو کمپیوٹر سے جوڑ دیا گیا اور جیسے ہی اس خاتون کے دماغ کی باریک نسوں کے درمیان سے برقی رو نکلی ۹۶ باریک اتصالاتی روزنوں نے انہیں پکڑ لیا اور جب مصنوعی ہاتھ اور دماغ کے درمیان رابطہ مستحکم ہوگیا تو وہ ہاتھ دماغ کے اشاروں پر کام کرنے لگا۔اب سائنس داں اس میں قوت

لامسہ کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ (سائنس، جنوری ۲۰۱۵ء، ص ۳۴)

''آسٹریا میں قدیم اسلامی قوانین میں تبدیلی پر غور''

یورپی ملک آسٹریا میں مسلمان کل آبادی کا چھ فیصد یعنی تقریباً پانچ لاکھ ہیں جن کی اکثریت کا تعلق بوسینیا و ہرزیگووینا اور ترکی سے ہے۔ آسٹریا میں اسلام کو ۱۹۱۲ء میں سرکاری طور پر مذہب کی حیثیت سے تسلیم کیا گیا تھا اور شاہ فرانز جوزف کے دور میں اسلام گزیٹر نامی اسلامی قانون بھی متعارف کرایا گیا تھا، جس کے تحت عیسائی اور یہودی اقوام کی طرح مسلمانوں کو بھی کئی حقوق کی ضمانت دی گئی تھی۔ لیکن گزشتہ دنوں بعض آسٹریائی مسلمانوں کی داعش جیسی تحریکوں سے رابطہ کی خبر کے سبب حکومت نے سو سالہ قدیم اسلامی قوانین میں ترمیمی بل پیش کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس قانون کے ذریعہ حکومت کسی بھی تنظیم کو بیرون ملک سے ملنے والی امداد پر پابندی لگا سکتی ہے۔ ''اسلامک کمیونٹی'' سے منسلک کارلا امینہ بغاجاتی کا کہنا ہے کہ آسٹریا کا پرانا قانون براعظم یورپ میں ''ایک قسم کا ماڈل اور قابل تقلید نمونہ'' ہے اور اس قانون نے مسلمانوں کو آسٹریا کے معاشرے کا حصہ بننے میں بہت مدد کی ہے۔ اس کو ختم کرنے سے اتفاق نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ دوسرے ماہرین قانون نے بھی اس مجوزہ ترمیمی بل پر شدید تنقید کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اس سے مسلمانوں کے برابر کے شہری ہونے کے بنیادی حق پر ضرب پڑے گی۔ امینہ بغاجاتی کے مطابق چونکہ نئے قانون کے مسودہ کا مقصد مسلمانوں کو مشکوک ٹھہرانا ہے اس لیے کمیونٹی اس سے اتفاق نہیں کرتی اور اگر حکومت قانون کے متنازعہ حصوں کو تبدیل کرنے پر آمادہ نہ ہوگی تو اس کی اگلی منزل آسٹریا کی آئینی عدالت ہوگی۔ (منصف حیدرآباد، ۱۴؍ دسمبر ۲۰۱۴ء میں اس کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے)

''مصنوعی ذہانت کی ترقی نسل انسانی کے خاتمہ کا سبب''

مشہور سائنس داں اسٹیفن ہاکنگ نے کچھ دنوں پہلے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ مکمل مصنوعی ذہانت کی ترقی انسانی نسل کا خاتمہ کر دے گی۔ ایک دفعہ انسانوں نے اسے بنالیا تو اس کا ارتقا ہوتا رہے گا اور انسانی نسل اپنے سست حیاتی ارتقا کی وجہ سے اس کا مقابلہ نہیں کر پائے گی۔

اس نظریے کی تائید میں کیلی فورنیا کے مائیکل ایس ملون نے بھی کہا ہے کہ مشین انسانوں سے زیادہ دیر تک باقی رہ سکتی ہے۔اس کے بیان کے مطابق ہر زندہ چیز کا دل اس کی پوری زندگی میں تقریباً ایک ارب بار دھڑکتا ہے۔اس کے برعکس جدید مائیکرو پروسیسر ہر سکنڈ میں پانچ سے دس ارب حساب کرتا ہے۔اس سے کہا جاسکتا ہے کہ بنیادی طور پر ان آلات میں انسانوں کے بالمقابل زیادہ ثبات واستقلال ہے۔حال ہی میں ''اوین ورم'' نامی ایک منصوبے پر کام کرتے ہوئے سائنس دانوں نے ایک چھوٹے کیچوے کے ۳۰۲ نیوران کنکشنز پر مشتمل دماغ کا ایک نقشہ بنایا اوراسی طرز پر ایک سافٹ ویر پروگرام تیار کیا۔جس کو ایک سادہ روبوٹ میں ڈالا گیا تو اس میں کیچوے کی حرکت کا مشاہدہ کیا گیا۔ان تجربات کی بنا پر مائیکل ملون کا کہنا ہے کہ کسی وقت انسان بھی اپنے دماغ کا نقشہ کمپیوٹر میں ڈال دیں گے اوراس سے مشینی جیسی زندگی انسان کو نصیب ہوجائے گی لیکن اسی گفتگو میں اپنے اندیشہ ہائے دوردرازاورامکانات ظاہر کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اس وقت انسانوں کی خودی اورشعور کا کیا ہوگا۔کیا ہم انسان رہیں گے۔اس وقت کیا ہوگا جب انسان اپنے وجود کے بغیر زندگی گزارے گا۔اس کی پریشان کن مثالیں موجود ہیں کہ جب انسان اپنے حیاتیاتی حصوں میں سے کچھ کو مشین یا کمپیوٹر کے توسط سے تبدیل کرتا ہے تو عجب نتیجہ نکلتا ہے۔ڈاکٹر بارلی کلارک پہلے شخص تھے جن کے سینے میں ۱۹۸۲ء میں مصنوعی دل لگایا گیا تھا جس کے بعد وہ ۱۱ برس تک زندہ رہے مگر موتوا قبل ان تموتوا کی تصویر بنے موت کی اجازت مانگ رہے تھے۔(بی بی سی اردو ڈاٹ کام،۲۹؍دسمبر ۲۰۱۴ء)

''کاروں کا دھواں زیادہ مضر''

لندن کے ماحولیاتی ماہرین نے خبردار کیا ہے کہ گاڑیوں سے نکلنے والے دھویں کی آلودگی سگریٹ نوشی سے بھی زیادہ خطرناک ہے،اس لیے انھوں نے سفارش کی ہے کہ ٹریفک سے بھری شاہراہوں کے پاس نئے اسکول،کیریر سنٹر اوراسپتال وغیرہ تعمیر نہ کیے جائیں اور پہلے سے آلودہ ماحول میں موجوداداروں میں ایئر فلٹریشن نافذ کیا جائے۔(اخبار مشرق،کلکتہ،۱۶؍دسمبر ۲۰۱۴ء)

ک،ص اصلاحی

وفیات

مرزا امتیاز احمد بیگ مرحوم

افسوس کہ دارالمصنفین کے خاندانی اور قدیم مخلص و معاون مرزا امتیاز بیگ ۲۰/ دسمبر کو اس جہان فانی سے رخصت ہوگئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

وہ اعظم گڑھ کے ایک گاؤں مسلم پٹی کے رہنے والے تھے، ان کے والد مرزا نیاز بیگ شہر کے ممتاز وکلاء میں تھے۔ انہوں نے شہر ہی میں بود و باش اختیار کی، نیک نامی پائی، دارالمصنفین کے رکن ہوئے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے بھی ارادت و بیعت کا تعلق تھا۔ مرزا امتیاز بیگ مرحوم کو ان کی تمام خوبیاں وراثت میں ملیں بلکہ انہوں نے اس میں اضافہ ہی کیا، مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم کے عہد میں ۱۹۹۱ء میں ان کو دارالمصنفین کی مجلس انتظامیہ کا رکن بنایا گیا، درحقیقت وہ اپنے والد مرحوم کے زمانہ ہی سے دارالمصنفین کی ہر خدمت کے لیے وقف تھے اور دارالمصنفین ہی کیا شبلی کالج کی ترقی و بہبود کے لیے بھی ہمیشہ موجود رہتے، شبلی انٹر کالج کے وہ برسوں منیجر رہے، جامع مسجد اور اس کے مدرسہ تعلیم الاسلام کی سرپرستی بھی کی۔ وکالت کے پیشہ کو ان سے عزت ملتی رہی مگر کبھی نخوت و غرور کو پاس نہ آنے دیا، نہایت متواضع، منکسر مزاج اور کہہ ومہ کے لیے کشادہ جبیں، ان خوبیوں نے ان کی شخصیت کو اور امتیازی شان عطا کی۔ وکالت برسوں پہلے ترک کر کے زیادہ تر وقت راجستھان میں اپنے بیٹے مرزا اطہر بیگ یا علی گڑھ میں اپنی بیٹی کے پاس گزارنے لگے تھے۔ عمر قریب ۸۰-۸۵ کی ہوگئی تھی، عوارض بھی ساتھ رہے، بالآخر علی گڑھ میں وقت موعود آ پہنچا اور دنیا ایک شریف انسان اور دارالمصنفین اپنے مخلص مہربان سے محروم ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ بلند درجات سے نوازے۔ آمین!

ع-ص

مطبوعات جدیدہ

شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی خدمات: ترتیب پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی، پروفیسر ظفر الاسلام، متوسط تقطیع، عمدہ کاغذ و طباعت، مجلد مع گرد پوش، صفحات ۲۹۲، قیمت ۳۰۰ روپے، پتہ: پبلی کیشنز ڈویژن، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔

مسلم یونیورسٹی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز نے برسوں پہلے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی قرآنی خدمات پر سمینار کرایا تھا، جس کے بعض مقالوں کا انتخاب زیر نظر مجموعہ ہے، اس میں فاضل مرتبین کے علاوہ مولانا ضیاء الدین اصلاحیؒ، پروفیسر بدرالدین الحافظ، پروفیسر عبدالقادر جعفری، پروفیسر زبیر احمد فاروقی، پروفیسر عبیداللہ فہد، ڈاکٹر حیات عامر حسینی وغیرہ جیسے افاضل کے مقالات کے ساتھ نوخیز اہل قلم جیسے ڈاکٹر جمشید احمد ندوی، ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، ڈاکٹر ضیاء الدین فلاحی، ڈاکٹر محمد مشتاق تجاروی، ڈاکٹر سلیم قاسمی، مولانا عبید اقبال عاصم وغیرہ اہل قلم کے مضامین آگئے ہیں۔ کہا گیا کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ایک قرآنی تحریک پیدا کی تھی لیکن امتداد زمانہ کا اثر تھا کہ یہ تحریک اس شکل میں نہیں رہی جس کی ایک جھلک شاہ صاحب کے فرزندوں اوران کے کچھ شاگردوں کے ہاں ملتی ہے، اسی تحریک کو نئی زندگی دینے کے لیے مسلم یونیورسٹی کے ادارہ علوم اسلامیہ نے ایک منظّم و مربوط کوشش کی اور یہ کوشش شعوری اور دانستہ رہی کہ موجودہ دور میں رجوع الی القرآن کا تقاضا اتنا ہی ضروری ہے جتنا شاہ صاحبؒ کے دور میں تھا اور اس کے لیے راہنما اصول وہی ہیں جو شاہ صاحب نے پیش کیے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ شاہ صاحب جامع الکمالات تھے اور ایسے تھے کہ بقول علامہ شبلی ان کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے اوران کارناموں میں سب سے ممتاز اور نمایاں قرآن مجید کے علوم و معارف کی ترویج و اشاعت ہے۔ اسی بنیادی نکتہ پر اس کتاب کے مضامین کا مدار ہے مقدمہ فتح الرحمٰن کا تجزیاتی مطالعہ ہو یا الفوز الکبیر اور فتح الخبیر کا تجزیہ ہو، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، حروف مقطعات، فقہی تشریحات، نظریہ ارتفاقات ہوں یا پھر تصوف، سیاست اور دیگر

افکار و نظریات ہوں، شاہ صاحب کی قرآنی بصیرت میں ان کا مطالعہ اس کتاب کا سب سے بڑا فائدہ اور حاصل ہے۔ شروع میں پروفیسر صدیقی کے کلمات ہیں جن میں شدت جذبات سے کچھ تلخی کا احساس ہوتا ہے، جیسے یہ کہنا کہ علماء و اہل طریقت نے اسی میں اپنی فلاح دیکھی کہ عوام کو قرآن مجید سے دور رکھیں، یہ بھی شاید احساس کی فراوانی ہے کہ ''المیہ یہ ہے کہ سب حضرت شاہؒ کا نام لیتے اور ان کی فکر سے اپنی نسبت کرتے اور فخر کرتے ہیں حالانکہ وہ فکر ولی اللہ سے اسی طرح دور ہیں جیسے قرآن مجید سے'' یہ مجموعہ یقیناً حضرت شاہ صاحب کی فکر و روح سے قریب تر کرنے میں معاون ہوگا، دوسرے مرتب ڈاکٹر ظفر الاسلام کی اس دعا پر سب کو آمین کہنا چاہیے کہ ''اللہ کرے یہ مجموعہ مقالات شاہ صاحب کی قرآنی خدمات کو اجاگر کرنے اور کی قرآنی فکر کے افہام و تفہیم کے لیے مفید ثابت ہو''۔

دبستان رام پور: مرتبین جناب سلیم عنایتی، جناب اظہر عنایتی، متوسط تقطیع، بہترین کاغذ و طباعت، مجلد، صفحات ۱۴۴، قیمت ۱۵۰ روپے، پتہ: پریڈ، لانپور۔ یوپی اور اظہر عنایتی محل شاہ بی بی مدرسہ کہنہ، رام پور اور کاشانہ محشر، خانقاہ عنایتیہ، زیارت حلقہ والی، رام پور، یوپی۔

رام پور جو کبھی مصطفیٰ آباد تھا اسے داغ نے آرام پور کہا تو باذوق اہل قلم نے اسے دارالسرور کے لقب سے یاد کیا۔ یوں تو یہ شہر، شجاعت، غیرت اور سخاوت جیسی اخلاقی خوبیوں سے مزین رہا لیکن یہاں کے علماء و فضلاء نے فقہ و فلسفہ و تصوف میں بھی اس کو نمایاں مقام دلایا مگر دارالسرور نے شعر کے ذریعہ جو مسرت عطا کی وہ غالباً سب سے نمایاں ہے۔ اسی لیے غالب کا یہ جملہ دہلی کے لیے نہ عظیم آباد کے لیے نکلا کہ اس جملہ کی قسمت میں رام پور ہی تھا، غالب کے الفاظ میں رام پور وہ ہے جہاں ''ہر شخص شعر کا فریفتہ اور شعر ہر شخص پر فریفتہ۔ اس اجمال کی تفصیل میں متعدد کتابیں لکھی گئیں جن کا ذکر اس کتاب کے آخر میں ہے لیکن لائق مرتبین نے جس طرح ماہ و سال کی گردش و رفتار کے سایہ میں شعرائے رام پور کا شعری تعارف اشعار ہی کی مدد سے کرایا ہے وہی اس کتاب کو بار بار پڑھنے کے لائق بناتا ہے۔ ان بحثوں یا بحث خیز جملوں کو چھوڑیے، جہاں ایک جدا دبستان کی شکل میں رام پور کو دیکھنے کی آرزو ہے یا دہلی و لکھنؤ کے دبستانوں کے امتیازات کا مجموعہ دکھانے

کی کوشش ہے یا یہ کہا گیا ہے کہ دبستان دہلی ولکھنؤ سب مٹ گئے جہاں سے مگر رام پور میں قدیم روایت کا تسلسل اب بھی باقی ہے۔ یہ سب باتیں ہیں جو دلچسپ بھی ہیں اور معلومات افزا بھی لیکن جس شہر کی فضاؤں میں شعری صدائیں اس شان سے نکلیں کہ

وہ ساتھ ہو حسرت دلِ مرحوم کی نکلے   عاشق کا جنازہ ہے ذرا دھوم سے نکلے

شکست و فتح میاں اتفاق ہے لیکن   مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا

ابھی اس راہ سے کوئی گیا ہے   کہے دیتی ہے شوخی نقش پا کی

ایام مصیبت کے تو کاٹے نہیں کٹتے   دن عیش کے گھڑیوں میں گزر جاتے ہیں کیسے

میں نے کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط   کہنے لگا کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

ہم ڈھونڈتے پھرے کہ جنازہ کدھر گیا   مرنے کی اپنی روز اڑائی خبر غلط

شکووں کا کچھ جواب نہ جب ان سے بن پڑا   گردن میں میری ڈال دیے مسکرا کے ہاتھ

وہ ہوا خواہ اسیری تھے کہ آزادی کے بعد   رو دیے ہم دیکھ کر خالی قفس صیاد کا

اوران اشعار کو کون فراموش کرسکتا ہے کہ

انگڑائی بھی وہ لینے نہ پائے اٹھا کے ہاتھ   دیکھا جو مجھ کو چھوڑ دیے مسکرا کے ہاتھ

دینا وہ اس کا ساغر مے یاد ہے نظام   منھ پھیر کر ادھر کو اُدھر کو بڑھا کے ہاتھ

اور یہ زندہ جاوید شعر

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے   اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کوئی کہاں تک رام کے اس دارالضرب ٹکسال کے ضرب الامثال اشعار کو مثال میں پیش کرے، خطبے کسی کے نام کے ہوں، سکہ تو رام پور ہی کا چلا۔ یہ بھی صحیح ہے کہ روایت کی روانی اب بھی جاری ہے۔

اس راستے میں جب کوئی سایہ نہ پائے گا   یہ آخری درخت بہت یاد آئے گا

شاندار روایت کا ایک پتہ تو خود مرتبین کے پتے ہیں۔ دبستان رام پور کی قدر ہونا چاہیے۔

پنج گنج اور میزان الصرف ومنشعب: ترتیب وتزئین مولانا محمد شعیب کوٹی قاسمی، قدرے بڑی تقطیع، اعلیٰ کاغذ وطباعت، صفحات بالترتیب ۱۴۴، ۸۰، قیمت ۱۵۰/۹۰ روپے، پتہ: اقرا ایجوکیشنل فاؤنڈیشن A-2، فردوس، ۲۴ ویر ساورکر روڈ، ماہم (ویسٹ) ممبئی ۴۰۰۰۱۶۔

درس نظامی کی زندہ جاوید کتابوں میں پنج گنج، میزان اور منشعب کا تعارف تحصیل حاصل ہے، صرف ونحو کی ان کتابوں کو ایسی مقبولیت حاصل ہوئی کہ صدیاں گزر گئیں لیکن ان کی افادیت میں ذرا فرق نہیں آیا، تاہم اب زمانہ کا تقاضہ ہے کہ قدیم طرز عبارت جو کاما، فل اسٹاپ اور عنوانات سے بے نیاز تھی اور دور جدید کے طلبہ کے لیے ان سہولتوں کی طلب گار تھی اس کو جاذب نظر اور زیادہ مفید شکل میں پیش کیا جائے، پرانی طباعتوں میں اغلاط بھی در آئے تھے، عربی الفاظ پر اعراب نہیں تھے، ان ضرورتوں کے پیش نظر اقرا فاؤنڈیشن نے ان کتابوں کو جدید اور زیادہ نافع بنانے کا ارادہ کیا اور اس کے لیے صرف ونحو ہی نہیں عربی زبان وادب کے لائق ترین مزاج شناس مولانا شعیب کوٹی کا انتخاب کیا، اب جبکہ یہ کتابیں معنوی اور صوری حسن سے آراستہ ہوکر سامنے آئی ہیں تو فاؤنڈیشن کی اس خدمت کی تحسین کے ساتھ اس کے حسن انتخاب کی داد بھی ضروری ہے کہ فاضل مرتب نے متن میں بغیر کسی تغیر کے ان کتابوں کے فائدے کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور گردانوں کو بڑی خوبی سے خانوں میں تقسیم کردیا۔ ان کا تحقیقی ذوق بھی سامنے آگیا کہ انہوں نے پنج گنج اور علم الصیغہ کی تاریخ بیان کرکے پنج گنج کی وجہ تسمیہ اور پانچ مستقل رسالوں یعنی تکملہ مفیدہ، زبدۃ الصرف، تمرین سعیدی، زبدہ جوانا موئی، زبدۂ تشحیذ کے تعارف کے ساتھ ان کے مولفوں کے نہایت مستند حالات بھی درج کردیے۔ درس نظامی کے وابستگان کے لیے خواہ وہ اساتذہ ہوں یا طلبہ، یہ دونوں کتابیں زیادہ سہل، آسان فہم اور مفید تر ہوگئی ہیں۔

ع-ص

رسید مطبوعہ کتب

۱-ارمغان عروض: کندن لال کندنؔ،نغمہ بک سپلائی کمپنی،۴۲۳،مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-۶۔

قیمت=/۳۰۰روپے

۲-اکیسویں صدی کے سماجی مسائل اور اسلام: ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، ڈی-۳۰۷،دعوت نگر، ابوالفضل، جامعہ نگر نئی دہلی۔ قیمت=/۱۴۰روپے

۳-السبیل: پروفیسر محمد سلیمان اشرف خان بک کمپنی،۳۰-کورٹ اسٹریٹ، لوئر مال، لاہور۔

قیمت=/۲۶۰روپے

۴-بیدل اور غالب: ڈاکٹر سید احسن الظفر ،غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی۔

قیمت=/۵۰۰روپے

۵-سیرت داعی اسلام حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی: محمود حسن حسنی، مکتبہ ندویہ، دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ قیمت=/۳۸۰روپے

۶-سیرت شبلی: علامہ اقبال احمد خاں سہیل، تصحیح و ترتیب: فضل الرحمٰن اصلاحی، دارالمصنّفین شبلی اکیڈمی اور اعظم گڑھ کے دیگر مکتبے۔ قیمت=/۱۵۰روپے

۷-غلبہ اسلام کی بشارتیں: علامہ یوسف القرضاوی، ترجمہ عبدالحلیم فلاحی، ایم، ایم، آئی پبلیشرز، D-۳-۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ قیمت=/۱۰۰روپے

۸-فکر و فن: شارق ربانی، مصنف، نان پارہ، بہرائچ، یوپی۔ قیمت=/۸۵روپے

۹-نقوش پرواز: ڈاکٹر محمد مقیم جامعی، تنویر پبلیکیشن، ہڈرو الکٹرک مشنری پریمیس ۱۳/۱۷، رام-رحیم ادیوگ نگر، بس اسٹاپ، سوناپور، ممبئی ویسٹ۔ قیمت=/۲۸۰روپے

۱۰-وادیٔ کشمیر کے چند اہم شعراء (جلد اول): جاوید انور، پرویر مانوس ۱۱۵-آزاد بستی متی پورا، سری نگر۔ قیمت=/۳۰۰روپے

تصانیف علامہ شبلی نعمانیؒ

کتاب	قیمت
سیرۃ النبیؐ جلد اول ودوم (یادگار ایڈیشن)	2000/-
سیرۃ النبیؐ	
(خاص ایڈیشن مکمل سیٹ ۷ جلدیں)	2200/-
علامہ شبلی وسید سلیمان ندوی	
مقدمہ سیرۃ النبیؐ	30/-
الفاروق	240/-
الغزالی	200/-
المامون	100/-
سیرۃ النعمان	300/-
سوانح مولانا روم	80/-
شعرالعجم اول	150/-
شعرالعجم دوم	130/-
شعرالعجم سوم	125/-
شعرالعجم چہارم	150/-
شعرالعجم پنجم	120/-
الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی	350/-
(محقق ایڈیشن) تحقیق: ڈاکٹر محمد اجمل ایوب اصلاحی	
الکلام	230/-
علم الکلام	180/-

کتاب	قیمت
موازنہ انیس ودبیر	100/-
اورنگ زیب عالمگیر پر ایک نظر	85/-
سفرنامہ روم ومصر وشام	100/-
کلیات شبلی (اردو)	180/-
کلیات شبلی (فارسی)	45/-
مقالات شبلی اول (مذہبی)	100/-
مرتبہ: سید سلیمان ندوی	
مقالات شبلی دوم (ادبی) //	70/-
مقالات شبلی سوم (تعلیمی) //	80/-
مقالات شبلی چہارم (تنقیدی) //	200/-
مقالات شبلی پنجم (سوانحی) //	150/-
مقالات شبلی ششم (تاریخی) //	90/-
مقالات شبلی ہفتم (فلسفیانہ) //	100/-
مقالات شبلی ہشتم (قومی واخباری) //	110/-
خطبات شبلی مرتبہ: عبدالسلام ندوی	80/-
انتخابات شبلی مرتبہ: سید سلیمان ندوی	45/-
مکاتیب شبلی اول //	150/-
مکاتیب شبلی دوم //	190/-
شذرات شبلی مرتبہ: ڈاکٹر محمد الیاس الاعظمی	220/-

ISSN 0974 - 7346 MA'ARIF (URDU) -PRINT
JAN 2015 Vol- 195 (1)
RNI. 13667/57 **MA'ARIF** AZM/NP- 43/016
Monthly Journal of
DARUL MUSANNEFIN SHIBLI ACADEMY
P.O.Box No: 19, Shibli Road, AZAMGARH, 276001 U.P. (INDIA)
Email: shibli_academy@rediffmail.com, info@shibliacademy.org
Website: www.shibliacademy.org Fax No: 05462 - 265080
Bank Name: Punjab National Bank - Heerapatti, Azamgarh
Account No: 4761005500000051 - IFSC No: PUNB0476100
✆ (Office Mobile) 7607046300 (8.00 A.M. To 1:30 P.M.)